ماہنامہ دختران اسلام لاہور
اپریل 2018ء

معراج کمالِ معجزاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

بچوں کی عادات سے ان کی شخصیت بنتی ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

فکرِ اقبال، نظریہ پاکستان کی اساس

غربت دہشتگردی کی ایک بڑی وجہ

سینئر سیاستدان، دانشور بیگم عابدہ حسین سے خصوصی انٹرویو

منہاج القرآن ویمن لیگ اور امامیہ آرگنائزیشن کے زیر اہتمام ''سیدۂ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کانفرنس'' کا انعقاد

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دختران اسلام لاہور

جلد: 25 شمارہ: 4 رجب ۱۴۳۹ھ - شعبان / اپریل 2018ء

زیرِ سرپرستی
بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر
قرۃ العین فاطمہ

ایڈیٹر
اُم حبیبہ

ڈپٹی ایڈیٹرز
نازیہ عبدالستار
ملکہ صباء

مجلس مشاورت

نوراللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ، ڈاکٹر نبیلہ اسحاق
ڈاکٹر شاہدہ مغل، ڈاکٹر فرخ، ڈاکٹر سعدیہ نصراللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز
افنان بابر، مسز رافعہ علی

رائٹر فورم

مسز راضیہ نوید، آسیہ سیف
ہانیہ ملک، ہادیہ ثاقب، سمیعہ اسلام
مومنہ ملک، جویریہ سحرش

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام —— فوٹو گرافی: قاضی محمود الاسلام

فہرس

اداریہ

(خواتین اور بچوں کی زندگیوں کا تحفظ آخر کس کی ذمہ داری؟؟) 4

فکر شیخ الاسلام

بچوں کی تربیت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی نظر میں — مرتبہ: نازیہ عبدالستار 5

منتخب مضامین

جدید ترقی کی بنیاد معراج النبیؐ — ڈاکٹر ابوالحسن الازہری 8
فکرِ اقبالؒ۔ نظریہ پاکستان کی اساس — ڈاکٹر طاہر حمید تنولی 13
کلام اقبالؒ میں مذہبی و تاریخی تمثال نگاری — ڈاکٹر فرح اقبال 16
علامہ اقبالؒ کا فکر و فلسفہ اور موجودہ نسل — جویریہ سحرش 19
کتاب۔۔۔ منبع و مصدر علم — ہانیہ ملک 22
ام المومنین سیدہ حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ — راضیہ نوید 24

راہ نورد شوق

سینئر سیاستدان بیگم عابدہ حسین سے خصوصی انٹرویو — پینل: ام حبیبہ، نازیہ عبدالستار 27

گلدستہ

ادبیہ شہزادی 31

بدلِ اشتراک: آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ: 15 ڈالر مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ: 12 ڈالر

ترسیلِ زر کا پتہ: منی آرڈر / چیک / ڈرافٹ بنام حبیب بنک لمیٹڈ منہاج القرآن برانچ اکاؤنٹ نمبر 01970014583203 ماڈل ٹاؤن لاہور

قیمت فی شمارہ -/35 روپے

سالانہ خریداری -/350 روپے

رابطہ: ماہنامہ دختران اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور
فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-5168184

Visit us on: www.minhajsisters.com E-mail:sisters@minhaj.org

﴿فرمان الٰہی﴾

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰـرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ. وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰـهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلاً. ذُرِّیَّـةَ مَـنْ حَـمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّـهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا. (بنی اسرائیل، ۱۷ : ۱ تا۳)

’’وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد ونواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تا کہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (تورات) عطا کی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا (اور انہیں حکم دیا) کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ۔ (اے) ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) اٹھا لیا تھا، بے شک نوح (علیہ السلام) بڑے شکر گزار بندے تھے‘‘

(ترجمہ عرفان القرآن)

﴿فرمان نبوی ﷺ﴾

حَتّٰی جَاءَ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی دَنٰی الْجَبَّارِ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰی حَتّٰی كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی. (صحیح البخاری، ۲: ۱۱۲۰، کتاب التوحید، رقم: ۷۰۷۹)

’’یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ پر آ گئے، رب العزت اپنی شان کے لائق بہت ہی قریب ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا‘‘۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: كَمَا كَذَّبَنِیْ قُرَیْشٌ قُمْتُ فِیْ الْحِجْرِ فَجَلَّی اللّٰـهُ لِیْ بَیْتُ الْمُقْدِسَ، فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰیَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهِ. (صحیح البخاری، ۲: ۶۸۴، التفسیر، رقم: ۴۴۳۳)

’’حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب قریش نے میری (معراج کی) تکذیب کی اس وقت میں حجر اسود کے پاس تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میری نظروں میں عیاں کردیا اور میں اسے دیکھ دیکھ کر اس کی تمام نشانیاں قریش کو بتانے لگا‘‘۔

خواب

علامہ اقبالؒ

ان کی جمیعت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

(کلیات اقبال، بانگ درا، ص:۲۴۴)

تعبیر

قائداعظمؒ

مجھے فخر ہے کہ پاکستان میں ایک ایسی قوم آباد ہے جس کے افراد محنتی با عزم اور باحوصلہ ہیں اور ان کی روایات سے ظاہر ہے کہ انہوں نے شاندار کارنامے سرانجام دینے میں منفرد و ممتاز مقام حاصل کر رکھا ہے۔

(چٹاگانگ میں استقبالیہ سے خطاب، 26 مارچ 1948ء)

تکمیل

شیخ الاسلام مدظلہ

میں قوم کو جو راستہ دکھا رہا ہوں، گنبد خضریٰ کی عزت کی قسم! اسی راستے میں تمہاری سلامتی ہے لہٰذا ایک قومی حکومت قائم کی جائے اور وہ قومی حکومت ایماندار، دیانتدار اور قابل طبقے کے نمائندوں پر مشتمل ہو اسے ایک وقت ملے تاکہ اس نظام کی خرابیوں کی اصلاح کر سکے اور اس نظامِ انتخاب کو ایسا نظام انتخاب بنا سکے جس میں غریب کا پڑھا لکھا بچہ بھی الیکشن لڑ سکے۔

(خطاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری بعنوان ’’تبدیلی‘‘ دختران اسلام مئی 2013ء)

اداریہ

خواتین اور بچوں کی زندگیوں کا تحفظ آخر کس کی ذمہ داری؟؟

بچوں اور خواتین کی زندگیوں کی حفاظت کے حوالے سے صوبہ پنجاب پاکستان کا ایک غیر محفوظ اور خطرناک ترین صوبہ بن چکا ہے۔گزشتہ دس سال میں صورتحال تشویشناک حد تک خراب ہوئی۔غیرت کے نام پر قتل ہو،بچیوں کے ساتھ بداخلاقی کے واقعات ہوں،اغواء برائے تاوان کا سنگین جرم ہو،گھریلو تشدد کے نتیجے میں اموات ہوں،تیزاب سے جلائے جانے کے واقعات ہوں، ناقص غذاء اور جعلی ادویات کی خرید وفروخت ہو، پینے کا مضرِصحت پانی ہو یا پتنگ بازی میں استعمال ہونیوالی دھاتی ڈور ہو ہر جگہ معصوم انسانی زندگیاں بالخصوص خواتین اور بچے سب سے زیادہ نشانہ بنتے ہیں۔یہ بات بھی ریکارڈ کا حصہ ہے مذکورہ حادثات میں پنجاب مسلسل دس سال سے سر فہرست صوبہ ہونے کا اعزاز برقرار رکھے ہوئے ہے۔گزشتہ چند ماہ سے معصوم بچیوں کا بداخلاقی کے بعد قتل اور بچوں کی دھاتی ڈور پھرنے سے گردنوں کے کٹنے کے واقعات تواتر کے ساتھ سامنے آرہے ہیں،کوئی دن نہیں گزرتا کہ کسی گھر میں صف ماتم نہ بچھتی ہو اور ہنستا بستا گھر آہوں اور سسکیوں میں نہ ڈوبتا ہو ہر واقعہ اور ہر سانحہ کے پس پردہ حکومتی ناکامی اور بے حسی نظر آئے گی،کسی بھی انسانی المیہ کے رونما ہونے کی صورت میں اس وقت تک حکمران حرکت میں نہیں آتے جب تک عوام اور میڈیا حرکت میں نہ آئیں اس حوالے سے قصور میں ننھی زینب کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ اس کی ایک بڑی دردناک مثال ہے۔معصوم زینب کی لاش ملنے کے بعد سب سے پہلے سوشل میڈیا نے آواز اٹھائی پھر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے صدائے احتجاج بلند کی اس کے بعد چیف جسٹس اور آرمی چیف نے از خود نوٹس لیا اور پھر آخر میں پنجاب حکومت کی آنکھ کھلی یہی صورتحال آج کل دھاتی ڈور پھرنے کے نتیجے میں ہونیوالی اموات کے دلخراش واقعات کی صورت میں سامنے آرہی ہے۔گزشتہ ایک سال میں صرف سنٹرل پنجاب میں 19 بچے دھاتی ڈور پھرنے سے موت کے منہ میں جاچکے ہیں۔مجموعی طور پر 177اموات ہوچکیں،دھاتی ڈور پھرنے سے زخمی ہونے والوں کی تعداد 4991 ہے جن میں سے 388 بدقسمت شہری مستقل معذور ہوچکے ہیں۔یہ واقعات دہشتگردی کے واقعات سے کم سنگین نہیں ہیں۔اس سارے عمل میں پنجاب حکومت کا کردار تماشائی سے زیادہ نہیں رہا۔حادثہ کوئی بھی ہو معصوم انسانی زندگی کے ضیاع کا سب سے بڑا متاثرہ فریق خاتون ہوتی ہے۔خدانخواستہ خاندان کا سربراہ کسی حادثے کی نذر ہوجائے یا بچے، اس کے اذیت ناک معاشی،سماجی مضمرات کا شکار سب سے زیادہ خاتون ہوتی ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر عوام کے منتخب نمائندے اور حکومتیں عوام کے جان و مال کا تحفظ نہیں کرسکتے تو پھر ان کا اقتدار سے چمٹے رہنے کا کیا قانونی،جمہوری اور اخلاقی جواز باقی رہ جاتا ہے؟ عوام کے جان ومال کا تحفظ کرنا حکمرانوں کا محض صوابدیدی یا پسند ناپسند پر مبنی اختیار نہیں ہے،عوام کے جان و مال کا تحفظ ریاست کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک ہے۔آئین کا آرٹیکل 9 ہر شہری کی اس کی زندگی کو محفوظ بنائے جانے کی گارنٹی دیتا ہے اور یہ گارنٹی انسانی حقوق کے باب میں سے سب سے اہم ترین ہے،مگر بدقسمتی سے موجودہ ظالم اور لوٹ کھسوٹ پر مبنی نظام میں حکمران آئین کے ان آرٹیکلز اور شقوں پر عمل کرتے ہیں جو ان کے اقتدار،اختیار اور لوٹ مار کو تحفظ دیتی ہیں۔دھاتی ڈور سے بچوں کی اموات میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب تک چیف جسٹس آف سپریم کورٹ، چیف آف آرمی سٹاف،عوام، میڈیا متحرک نہیں ہوں گے اس وقت تک حکمران ٹس سے مس نہیں ہوں گے اور قوم کے بچے اسی طرح ذبح ہوتے رہیں گے، مائیں بین کرتی رہیں گی اور ہنستے بستے گھر اجڑتے رہیں گے۔ پنجاب پولیس ہر سال 100 ارب روپے کے لگ بھگ بجٹ استعمال کرتی ہے اور اس خطیر رقم کے استعمال کے بعد بھی ہمیں ہر گزرتے دن کے ساتھ عوام زیادہ غیر محفوظ اور عدم تحفظ کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔پنجاب کی مائیں چیف جسٹس سپریم کورٹ سے استدعا کرتی ہیں کہ وہ خونی جان لیوا دھاتی تار کی تیاری،خرید وفروخت کا نوٹس لیں اگر معاملہ پنجاب کے حکمرانوں کی صوابدید پر چھوڑا گیا تو انسانی زندگیاں اسی طرح تلف ہوتی رہیں گی۔(ایڈیٹر)

بچوں کی تربیت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی نظر میں

بچوں کی عادات سے ان کی شخصیت بنتی ہے

بچے معاشرہ، امت مسلمہ اور عالم انسانیت کا مستقبل ہیں

نازیہ عبدالستار

بچے کی زندگی کی ابتداء پلانٹیشن سے ہوجاتی ہے جب تک بچہ ماں کی باطنی گود میں رہتا ہے اس کی ہر طرح کی نشوونما اس کی ماں کرتی ہے۔ بچے کی نشوونما کے سلسلے میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ growth اور development۔ ان دونوں میں فرق ہے جسمانی نشوونما یعنی شکل وصورت کا بننا، قد کا بڑھنا، توانا ہونا یہ growth ہے جبکہ دماغی، اخلاقی، فکری نشوونما کو development کہتے ہیں۔ نشوونما میں نیچر اور Nurture دو چیزیں کام کرتی ہیں ماں کی طرف سے مبہم اور باپ کی طرف سے سپرم ملتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے جو نیچر سے آتا ہے۔ جبکہ Nurturing میں بچے کے ماں باپ، بہن بھائی، فیملی اور معاشرہ اور سکول مل کر جو کردار ادا کرتے ہیں ان تمام مراحل کو نرچرنگ کہتے ہیں۔ نرچرنگ ماں کے پیٹ سے ہی شروع ہوجاتی ہے اس

بچے والدین سے سیکھتے اور گھریلو ماحول کا اثر لیتے ہیں۔ والدین کے طرز عمل سے بچے نے اپنی زندگی کا رخ متعین کرنا ہوتا ہے جو کچھ والدین کرتے ہیں اس کا براہ راست اثر بچے کی عادات، نفسیات، شخصیت پر پڑتا ہے

دوران ماں کو زیادہ بھوک لگتی ہے وہ اپنے اور بچے کے حصے کا بھی کھاتی ہے۔ ماں اگر خوشگوار ماحول میں رہتی ہے، سیر پر جاتی ہے اچھی خوراک، دودھ اور پروٹین لیتی ہے، جھگڑے کے ماحول سے بچتی ہے ان ساری چیزوں کا اثر پیدا ہونے والے بچے کی جسمانی اور ذہنی نشوونما پر پڑتا ہے۔ ماں کو ان مہینوں میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اس نے کس طرح کے بچے کو جنم دینا ہے اس کا مزاج طبیعت اور صحت کیسی ہو۔ ماں کے تمام اثرات اس کے پیٹ میں موجود بچے کی نشوونما پر پڑتے ہیں نیچر اور نرچر دونوں مراحل شانہ بشانہ چلتے ہیں اس وجہ سے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو دونوں چیزیں آتی ہیں۔ ماں کی گود اس کی بہترین تربیت گاہ گھر اس کی یونیورسٹی ہوتی ہے۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو ابتدائی زندگی میں تین چیزیں اس کے ساتھ چلتی ہیں اس کی نشوونما، development اور تعلیم جس طرح بچہ کا جسم بڑھتا ہے ساتھ ہی ساتھ اس کی ذہنی، جذباتی، نفسیاتی، معاشرتی، روحانی اور ثقافتی نشوونما بھی ہوتی ہے۔ یہ سارے گوشے ایک چھوٹی سی اکائی میں پروان چڑھتے ہیں۔ والدین میں باپ تو زیادہ تر اپنے کاروباری معاملات میں مصروف رہتا ہے ابھی بچہ اٹھا نہیں ہوتا وہ اپنے کاروبار پر چلا جاتا ہے۔ رات کو لیٹ آتا ہے۔

بچے کی تربیت کی ذمہ داری زیادہ تر ماں پر ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام جس معاشرے میں مبعوث ہوئے اس

وقت خواتین زیادہ مصروف نہیں ہوتی تھیں اس زمانے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری جنت ماں کے قدموں تلے ہے''۔ اس حدیث کو مائیں ایک ہتھیار کے طور پر اس وقت استعمال کرتی ہیں جب بچہ ان کا کہنا نہیں مانتا، جھگڑا کرتا ہے جبکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بچے کی تربیت، پرورش، نگہداشت توجہ ماں پر منحصر ہے کہ وہ بچے کو جنت کی راہ پر ڈال رہی ہے یا جہنم کی راہ پر۔

لہذا چھوٹی عمر میں بچے کی تربیت کرنا آسان ہوتا ہے مگر جب وہ چودہ پندرہ سال کا ہوجاتا ہے تو اُس وقت تربیت کا فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلتا۔ آج کا سائیکالوجسٹ ریسرچ کرکے بتاتا ہے کہ بچے کی زندگی کے پہلے چھ سال بڑے مشکل ہوتے ہیں اس نے جو بننا ہوتا ہے وہ بن جاتا ہے اس دوران بچے کی شخصیت کی تعمیر ہوجاتی ہے۔ اس سے پہلے ریسرچ تھی کہ نو سال کی مدت تک بچے کی شخصیت بن جاتی ہے۔ اس سے بھی پہلے کی ریسرچ تھی کہ 11، 12 سال تک بچے نے جو بننا ہوتا ہے بن جاتا ہے۔ جدید ریسرچ چھ سال کا عرصہ ہے اس دور میں بچہ کی ضرورت کو نظر انداز کرنا، تباہ کن ہے۔ والدین کی سو ذمہ داریاں ہوں گی لیکن سب سے بڑھ کر بچے کی صحیح نشوونما ہے۔ اگر اس کو نظر انداز کردیا ہے تو مطلب ہے کہ اگلی نسل کو تباہ کردیا کیونکہ اس کے سیکھنے کا مرحلہ شروع ہوچکا ہے۔ ایجوکیشن صرف سکول، کورس کی کتب، ٹیچر اور کلاس روم سے شروع نہیں ہوئی یہ ایک باب ہے بلکہ بچے کے سیکھنے کا مرحلہ اس کے والدین سے شروع ہوچکا ہے وہ ہی بچے کا کورس ہیں۔ والدین کے آپس کے تعلقات اور لوگوں کے ساتھ معاملات کیسے ہیں؟ اس سے بچہ سیکھتا ہے مثلاً اگر باہر کسی نے بیل دی باپ کہتا ہے کہ کہہ دیں کہ ابو جی گھر پر نہیں ہے یہ سب کچھ بچہ سنتا بھی ہے اور اس کی دماغ کی تختی پر نقش ہورہا ہے۔

مزید یہ کہ والدین آپس میں جھگڑتے ہیں اس کے اثرات بچے کی شخصیت پر ہوتے ہیں۔ عموماً سمجھا جاتا ہے کہ بچہ کھیل رہا ہے بظاہر تو وہ گیم کھیلتا ہے مگر چھوٹی سی آواز بھی کان سے سنتا ہے۔ گھروں میں اسکا مشاہدہ بھی کیا جاتا ہے

> **چھوٹی عمر میں بچے کی تربیت کرنا آسان ہوتا ہے مگر جب وہ چودہ پندرہ سال کا ہوجاتا ہے تو اُس وقت تربیت کا فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلتا۔ آج کا سائیکالوجسٹ ریسرچ کرکے بتاتا ہے کہ بچے کی زندگی کے پہلے چھ سال بڑے مشکل ہوتے ہیں جس میں اُنکی شخصیت بنتی ہے**

کہ اچانک بچہ ایسا لفظ بولتا ہے کہ والدین دنگ رہ جاتے ہیں کہ اس نے یہ لفظ کہاں سے سنا ابھی تو یہ سکول بھی نہیں گیا مثلاً بچہ کہتا ہے ''بدتمیز'' والدین حیران رہ جاتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ لفظ اس کی زبان سے ہٹ جائے۔ اب اگر بچہ کو کہا جائے کہ یہ بُرا لفظ ہے تو بچہ اس لفظ کو نہیں چھوڑتا کیونکہ اس کو اچھائی و برائی کا علم نہیں اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اس لفظ سے ملتا جلتا لفظ اس کے سامنے کہیں جیسے بدتمیز کی جگہ بٹن قمیض آٹھ دس مرتبہ بچے کے سامنے کہیں تو بچہ بدتمیز کا لفظ بھول جائے گا۔ ابتدائی عمر میں حکمت سے منع کرنا زیادہ موثر ہے۔

گھروں میں ذہنی دباؤ کے ہزاروں مسائل ہوتے ہیں جس کے لیے ضروری ہے کہ والدین سائیکوتھراپیسٹ کے پاس جائیں۔ وہ والدین کو بتاتے ہیں کہ بچے کے ساتھ کیسے بولنا ہے کس ڈھنگ سے بولنا ہے؟ جس طرح دودھ بچے کے جسم کو توانائی دیتا ہے اس طرح بچہ ماحول سے سیکھتا ہے اگر ماں گھر میں گندے اور فحش پروگرام دیکھتی ہے اور توقع کرتی ہے کہ بچے کی اُس طرف رغبت نہ ہو تو ایسا نہیں ہوتا والدین کے طرزِعمل سے بچے نے اپنی زندگی کا رخ متعین کرنا ہے جو کچھ والدین کریں گے اس کا براہ راست اثر بچے کی عادات، نفسیات، شخصیت پر پڑتا ہے۔ یہ بڑا اہم مسئلہ ہے والدین ہی بچے کا کورس، سکول ہیں اس نے سکول جانے سے پہلے ہی سب کچھ والدین سے سیکھ لینا ہے۔ ٹیچر کے پاس تو کورس ختم کروانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں اگر گھر کا ماحول جو کچھ کتاب میں لکھا ہے اس سے مختلف ہے تو بچے کی پرورش میں

جس طرح والدین بچے کی جسمانی خوراک کا خیال رکھتے ہیں اسی طرح روحانی نشوونما کا بھی خیال رکھنا پڑے گا ان کے اندر دین اور شرم وحیا کی قدریں ڈالنی ہوں گی بعد میں یہ قدریں نکھرتی رہتی ہیں والدین کی کاوش سے اچھا معاشرہ اچھی نسل کو پاتا ہے پس بچے معاشرے، امت مسلمہ اور عالمِ انسانیت کا مستقبل ہیں

تضادات آجاتے ہیں۔

اسی طرح اگر والدین جھوٹ بولتے ہیں اور بچوں کو کہیں کہ جھوٹ نہ بولیں تو یہ کیسے ممکن ہے۔ والدین کے اعمال، افعال اور طرز زندگی کا اثر بچے کی شخصیت پر پڑتا ہے یہ تو ایک رخ ہے اس کے برعکس اگر بچے کو آزاد چھوڑ دیں اور توجہ نہ کریں تو وہ جنگلی پودے کی طرح ہوجاتے ہیں جیسے مالی پودے کو کاٹ کر خوبصورت شکل دے کر سنوارتا ہے۔ بچے بھی چھوٹے پودے ہیں ان کو سنوارنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ ان کے تعلقات افقی اور عمودی دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ ان کے دوست احباب اور بہن بھائی بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے دوسروں سے ملنا جلنا، رہنا سہنا والدین نے بچوں کو سیکھانا ہے اگر غیر معمولی لاڈ پیار سے بچے کو جانبدار بنادیا تو معاشرے میں اس کے برے تصورات پیدا ہوں گے وہ خود غرض بن جائے گا۔

بعض اوقات والدین بچے کو خودغرض بنا بیٹھتے ہیں اگر بچے کے پاس کھانے کی چیز ہے تو والدین نے بچے کو سیکھانا ہے کہ اپنا کھلونا اپنے دوستوں کے ساتھ بھی شیئر کرنا ہے، بچے کو خود اعتمادی سکھانی ہے خود اعتمادی پیدا کرنے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کرنی ہے تاکہ اس کی شخصیت کھل کر سامنے آئے اگر بچہ شرماتا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ اس کی شخصیت طاقتور ہو۔

اس کو حالات سے مقابلہ کرنے کے قابل بنائیں اگر بچے کو پکڑے رکھیں گے کہ یہ نہیں کرنا، لڑائی نہیں کرنی، فلاں نہیں کرنا تو بچہ کبھی بھی خودمختار اور معاشرے کا باعزت فرد نہیں بن سکے گا۔

بچوں کو جب غصہ آتا ہے تو وہ چیختا چلاتا ہے، برتن اور کھلونے بھی توڑتا ہے۔ چھوٹے بچے اس طرح سے بلیک میل کرتے ہیں جس سے والدین افراط وتفریط کا شکار ہوجاتے ہیں اگر بچے نے بات نہیں مانی تو مارنے لگ گئے یہ تفریط ہے۔ افراط یہ ہے اگر بچہ بلیک میل کرنے کے لئے زمین پر لیٹنے لگتا ہے، ٹانگیں مارتا ہے، بے ہوشی دیکھتا ہے، چیختا چلاتا ہے، دنگا فساد اور برتن توڑتا ہے تو والدین سے جو مانگتا ہے وہ دینے لگ جاتے ہیں بچہ سمجھتا ہے کہ یہ بہترین طریقہ ہے اپنی بات منوانے کا بس چیخو چلاؤ برتن توڑو جو چاہو مل جائے گا اس کو حقیقی نفع ونقصان کا علم نہیں ہوتا اس کی عادات سے ہی اس کی شخصیت بنتی ہے اس بچے نے معاشرے کا مستقبل بننا ہے پس بچہ کے ساتھ زیادتی بھی نہ ہو اور کمی بھی نہ ہو۔ والدین نے بچے کو صحیح راستے کی طرف لے کر جانا ہے۔

ضروری ہے کہ والدین اس کے لیے ٹرینگ کورس کریں تاکہ بچوں کی صحیح نہج پر تربیت کی جاسکے۔ بچوں کو مستقبل کا لیڈر بنانا ہے، بچوں کے اندر رجحانات کئی طرح کے ہوتے ہیں ان کو آزاد نہیں چھوڑنا چاہئے کہ وہ فون لے کر ماں کی نگاہ سے دور ہوکر بیٹھ جائے۔ اگر فون دینا ہے تو خاص عمر میں دیں اور بیڈ روم میں جانے سے پہلے اس سے واپس لے لیں جب بچے موبائل کو دیکھیں تو عام جگہ پر دیکھیں اور ماں کو پتہ ہو کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے کچھ چیزیں بلاک کردینی چاہئیں تا آنکہ بچہ پختہ عمر کو نہ پہنچ جائے اس کو حقیقی نفع اورنقصان کا علم ہوجائے اس سے پہلے تک والدین نے بچے کو انگلی پکڑ کر چلانا اور سیکھانا ہے جس طرح والدین بچے کی جسمانی خوراک کا خیال رکھتے ہیں اسی طرح روحانی نشوونما کا بھی خیال رکھنا پڑے گا ان کے اندر دین اور شرم و حیا کی قدریں ڈالنی ہوں گی بعد میں یہ قدریں نکھرتی رہتی ہیں والدین کی کاوش سے اچھا معاشرہ اچھی نسل کو پاتا ہے پس بچے معاشرے، امت مسلمہ اور عالمِ انسانیت کا مستقبل ہیں۔☆☆☆☆☆

جدید انسانی ترقی کی بنیاد معراج النبی ﷺ

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ کی نعمتوں کا حصول تفکر و تدبر میں ہے
مخلوقات سے اشرف المخلوقات ہونے کا سبب عقل ہے

ڈاکٹر ابوالحسن الازہری

زمین و آسمان کی تسخیر

باری تعالیٰ نے تمام انسانوں کو قیامت تک یہ درس دیا ہے کہ اس زمین اور اس آسمان کو میں نے تمہارے لیے مسخر کردیا ہے ہر چیز تمہاری خدمت کے لیے آمادہ ہے۔ جس چیز کو چاہو اپنے تصرف میں لاؤ۔

سورۃ جاثیہ میں ارشاد فرمایا:

وَ سَخَّرَلَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ.

''اور اُس نے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے، بے شک اس میں اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں''۔ (الجاثیہ،۴۵:۱۳)

آیت میں اس حقیقت کو بھی واضح کردیا کہ یہ تسخیر کا سفر ان لوگوں سے سرزد ہوگا اور اس کی توفیق اور صلاحیت ان کو میسر آئے گی جو خود کو لقوم یتفکرون کی مثل تفکر و تدبر والی قوم بنائیں گے جن کی عادت حیات غور وفکر اور تفکر و تدبر سے تشکیل پائے گی۔

باری تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے حصول کا طریقہ و ضابطہ بھی انسانوں کو سمجھا دیا ہے اگر کوئی اس کی نعمتوں سے مستفید ہونا چاہتا ہے تو اس کا قاعدہ اور طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے ان نعمتوں کے بارے میں جانے، پھر ان میں تفکر و تدبر کرے۔ اس طریق سے ان نعمتوں کا حاصل کرنا اس کے لیے آسان کردیا جائے گا۔

جو لوگ اس کائنات کے قوانین اور اس کے مختلف نظاموں میں غور وفکر کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ انہیں اس کا علم عطا کردیتا ہے اور پھر وہ اس علم کو اپنی تفکرانہ قوتوں کے ذریعے بڑھاتے ہیں۔ باری تعالیٰ ان پر اپنے قوانین اور اپنے نظام کی حقیقتوں کو منکشف کردیتا ہے اس لیے وہ ذات اپنے بندوں پر ہمیشہ سے مشفق و مہربان رہی ہے۔

تسخیر کائنات اور واقعہ معراج

جو بھی اس تسخیر کائنات کے سفر پر روانہ ہوگا اور اس تسخیری سفر کو اختیار کرے گا اور اللہ کی نعمتوں کا مشاہدہ کرے گا تو باری تعالیٰ نے ان آیات تسخیر پر عالم انسانیت کی شہادت و گواہی رسول اللہ ﷺ کے سفر معراج کے ذریعے دی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا . (بنی اسرائیل،۱۷ : ۱)

''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی''۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے ذریعے سے ملنے والا یہ قرآن انسانوں کو جھنجھوڑتا ہے کہ افلا تعقلون۔ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ اور اپنی اس عقل کو نئے علوم وفنون اور

نئی نئی ایجادات کے لیے استعمال کیوں نہیں کرتے، تمہارا مخلوقات سے اشرف المخلوقات ہونے کا ایک سبب عقل ہے۔ اس لیے اس عقل انسانی کو اپنی تمام تر انسانی ترقی کے لیے خوب استعمال کرو اپنی عقلی صلاحیتوں کو بیدار کرو اور اپنی عقلی قابلیتوں کا اظہار کرو۔ اس عقل کو استعمال کرتے کرتے اسے تدبر کی منزل تک لے جاؤ عقل جب کسی بھی معاملے میں غوروفکر کرتی ہے تو وہ اس کی تہوں میں پہنچتی ہے۔ اس پر ان چیزوں کے حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ گویا ''عقل عام'' بدیہی علم دیتی ہے۔ ''عقل تفکر'' عمیق علم دیتی ہے، اس لیے قرآن عقل کی اس امتیازی صفت کی طرف یوں متوجہ کرتا ہے:

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (آل عمران،۳: ۱۹۱)

''اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کارفرما اس کی عظمت اور حُسن کے جلووں) میں فکر کرتے رہتے ہیں''۔

اور اسی غوروفکر کرنے والی قوم اور انسان کے طبقات سے اللہ کا وعدہ ہے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ. (حم السجدہ، ۴۱: ۵۳)

''ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی ذاتوں میں دِکھا دیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اور تسخیر کائنات

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات اور سیرت کے ذریعے قوم میں علم کی قدروں کو فروغ دیا اور حصول علم کے لیے ذوق وشوق پیدا کیا اور غزوہ بدر کے کافر قیدیوں سے ۴ ہزار درہم فدیہ لینے کے بجائے ہر قیدی کی رہائی کے لیے دس دس مسلمان بچوں کو پڑھانا شرط قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی فروغ علم کی یہی وہ کاوشیں تھیں جس کے نتیجے میں اہل عرب، اہل اسلام پوری دنیائے انسانت کے لیے معلم اور رہبر بن گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی سیرت اقدس کے ذریعے قوم کو تجزیہ وتعلیل کا مزاج دیا اور حقائق کائنات کو جاننے کا ذوق پیدا کیا۔ تلاش وتحقیق کا شوق ان میں پروان چڑھایا۔ قوم کے ہر فرد کو پڑھنا اور لکھنا سکھایا اور پوری قوم کی ترقی کو علم بالقلم پر منحصر قرار دیا۔ اس گری پڑی اور صحرانشین قوم کو رسول اللہ ﷺ نے زمین کی پستیوں سے اٹھایا اور آسمانوں کی بلندیوں تک پہنچایا۔

واقعہ معراج میں عالمِ انسانیت کے لیے سبق

یہ کیسے ہوسکتا ہے اقبال چودہ سو سال بعد یہ کہہ رہے ہیں۔

خبر ملی ہے یہ معراج مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور اس سے قبل پوری تاریخ اسلام میں کسی بھی مسلمان نے اور کسی بھی انسان نے اس واقعہ معراج سے کوئی سبق نہ لیا ہو اور اس سفر معراج سے انسانی ترقی کے لیے کوئی جذبہ، کوئی ولولہ، کوئی سوچ، کوئی فکر اور کوئی عمل نہ لیا ہو، یہ چیز ناقابل تصور اور ناقابل یقین ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا سفرِ معراج قرآنی آیات کے ذریعے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور سیرت کے ذریعے عالم انسانیت کو ہر دور کی ترقی کی راہ پر گامزن کرتا رہا ہے۔ یقیناً عالم انسانیت کو جو ترقی بھی ملی ہے وہ انبیاء علیہ السلام کے در سے ملی ہے۔ ہر نبی کو باری تعالیٰ نے اپنے زمانے کا غالب معجزہ عطا کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک علم وتحقیق کا معجزہ بصورت قرآن عطا کیا ہے۔ قیامت تک انسان جس چیز کو بھی اپنے علم وفن اور اپنی تخلیق وتحقیق کے ذریعے ایجاد کرے گا۔ اس کی اصل کا ذکر کسی نہ کسی طرح قرآن میں ضرور ہوگا۔

انسان اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتا

اس لیے قرآن اللہ کا کلام ہے اور یہ اللہ کا علم ہے، انسان کبھی بھی اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے فرمایا:

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ. (البقرہ، ۲: ۲۵۵)

''اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے''۔

اللہ انسان کو علم عطا کرنے والا ہے وہ انسان کے علم کا احاطہ کرسکتا ہے مگر انسان کبھی بھی اپنے خالق کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ انسان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ قرآن کے بیان کردہ حقائق تک ان میں سے کوئی پہنچے یا کوئی نہ پہنچے۔ لیکن حقائق تک نہ پہنچنے والا اور حقائق کو نہ سمجھنے والا قرآنی حقائق کا اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس لیے قرآن نے کہا:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ.

''اور ہر صاحبِ علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے''۔ (یوسف،۱۲:۷۶)

پھر وہ ذات جس کی جان، جس کا جاننا، جس کا علم سب کو محیط ہے اور سب اس کے علم کے احاطے میں ہیں، کوئی بھی اس کے علم سے ماورا نہیں۔ کوئی بھی اس کائنات کی شے اس کے علم سے باہر نہیں، خواہ جو چیز ابھی انسانی علم میں ظاہر ہوئی ہے یا ظاہر نہیں ہوئی۔ جو چیز ظاہر ہوجاتی ہے اور انسانی مشاہدے اور تجربے میں آجاتی ہے وہ علم بن جاتی ہے اور جو ابھی خواب اور تصور میں ہے اور ایک عملی حقیقت نہیں بنی انسان اس کو ماننے کے لیے فوری آمادہ نہیں ہوتا آج کی کتنی سائنسی ایجادات ہیں جن کا صدیوں قبل ناممکن ہونے کا تصور کیا جاتا تھا لیکن آج وہ صدیوں کے بعد ایک عملی حقیقت بن گئی ہیں اس لیے انسان ان کو مان رہا ہے۔

تسخیر ماہتاب ایک عملی حقیقت

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ. لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ. فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ. (الانشقاق، ۸۴ :۱۸ تا ۲۰)

''اور چاند کی جب وہ پورا دکھائی دیتا ہے۔ تم یقیناً طبق در طبق ضرور سواری کرتے ہوئے جاؤ گے تو انہیں کیا ہوگیا ہے کہ (قرآنی پیشین گوئی کی صداقت دیکھ کر بھی) ایمان نہیں لاتے؟''۔

اب اس آیت کریمہ کا ہر ہر لفظ تسخیر ماہتاب کی خبر

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات اور سیرت کے ذریعے قوم میں علم کی قدروں کو فروغ دیا اور حصول علم کے لیے ذوق وشوق پیدا کیا اور غزوہ بدر کے کافر قیدیوں سے ۴ ہزار درہم فدیہ لینے کے بجائے ہر قیدی کی رہائی کے لیے دس دس مسلمان بچوں کو پڑھانا شرط قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی فروغ علم کی یہی وہ کاوشیں تھیں جس کے نتیجے میں اہل عرب، اہل اسلام پوری دنیائے انسانیت کے لیے معلم اور رہبر بن گئے۔

دے رہا ہے۔ انسان جب اس واقعہ سے قبل قرآن کو پڑھتا تھا کہ یہاں طبق در طبق سے مراد انسانی اعمال ہیں کبھی کہتا اس سے حیات انسانی کے مختلف مراحل مراد ہیں اور کبھی کہتا طبق در طبق سے مراد انسان کا ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا ہے اور کبھی کہتا اس سے مراد معراج النبی ﷺ ہے غرض یہ کہ اس کی متعدد تعبیریں اور تفسیریں تھیں وہ سب اپنی جگہ درست تھیں لیکن جب یہ تسخیر ماہتاب کا واقعہ رونما ہوگیا، انسان نے کہا والقمر میں چاند کی بات کی گئی ہے۔

لتـركبـن طبـقـا عن طبق میں ایک سیارے سے دوسرے سیارے تک سوار ہوکر جانا مراد ہے اور اس انسان نے اس معنی کی تائید امام راغب اصفہانی کی کتاب المفردات سے لی جنہوں نے کہا:

الركوب في الاصل كون الانسان على ظهر يوان وقد يستعمل في السفينة.(اصفهانی، راغب، امام، المفردات)

''رکوب سے مراد ایک انسان کا حیوان پر سوار ہونا ہے لیکن اس کا استعمال سفینہ اور جہاز پر سوار ہونے کے معنی میں بھی ہے''۔

اور لترکبن میں لام تاکید کے لیے آیا ہے اور نون ثقیلہ بھی تاکید کلام کے لیے آیا ہے۔ اس آیت لترکبن سے قبل قرآن مسلسل قسموں کا ذکر کررہا ہے اور اپنے منکرین کو چیلنج دے رہا ہے اور اس میں ایک یہ بھی ہے کہ ایک وقت آئے گا قرآن کی حقانیت مزید واضح ہوجائے گی جب انسان لترکبن

طبقا عن طبق کا سفر کرے گا۔ ایک طبق سے سوار ہوکر دوسرے طبق تک جائے گا تو قرآن کی عظمتیں اور اس رسول مکرم ﷺ کی نعمتیں تم پر مزید واضح ہوجائیں گی۔

آیت معراج پر اصول تفسیر کا اطلاق

مفسرین نے قرآن حکیم کے ان الفاظ پر عربی زبان کے قواعد وضوابط کے اعتبار سے غور وفکر کیا ہے اور اس آیت کو قرآن کے اصول تفسیر کے تناظر میں پرکھا ہے اور اسے اچھی طرح جانا اور جانچا ہے اور اس کے تسخیر ماہتاب کے معنی ومفہوم کو اصول تفسیر کے عین موافق پایا ہے۔ وہ کہتے ہیں لترکبن جمع کا صیغہ و لفظ ہے۔ اور جمع عربی زبان میں تین افراد کے لیے بولا جاتا ہے۔ تو قرآن گویا یہ اعلان کررہا ہے کہ تسخیر ماہتاب کے لیے اس سفر میں کم از کم تین افراد ایک طبق سے دوسرے طبق تک پرواز کریں گے اور حقیقت میں ایسا

> **مسلمانوں کا طرۂ امتیاز علم وتحقیق رہا، علم کی شمع ہر سو روشن کرتے گئے اور علم کو پھیلاتے گئے اور فروغ دیتے رہے اس واقعہ معراج کا بھی سب سے بڑا درس حیات امت کے لیے حصول علم ہے اور فروغ علم وتحقیق ہے**

ہی ہوا۔ والقمر اذا اتسق لترکبن طبقا عن طبق کا معنی یہ ہوگا قسم ہے چاند کی جب وہ پورا ہوجائے اے بنی آدم تم میں سے کم از کم تین افراد ایک طبق سے دوسرے طبق تک پرواز کریں گے۔ پہلا طبق تو زمین ہے جہاں انسان موجود ہے۔ دوسرے طبق کا تعین حکیمانہ انداز میں کردیا گیا ہے۔ دوسرے طبق کا نام نہیں لیا اس کو تنوین کے ساتھ عموم کے الفاظ کے ساتھ بیان کردیا۔ مفسرین کرام نے بیان کیا ہے یہ اس لیے تاکہ انسانی تسخیر کا سفر طبق الی القمر کہہ دینے کی بجائے چاند تک ہی محدود نہ ہوجائے۔ انسان نے چونکہ دیگر اجرام فلکی کو مسخر کرنا تھا اس لیے اسم نکرہ کے ساتھ طبق کا لفظ کہہ دیا یہی وجہ ہے انسان آج چاند سے آگے مریخ اور مشتری تک پہنچ چکا ہے اور مزید آگے بڑھ رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس آیت میں لفظ لترکبن کے ذریعے اس حقیقت کو بھی واضح کیا یہ واقعہ مستقبل میں رونما ہوگا۔ اس لیے لترکبن یہ فعل مضارع مستقبل بلام تاکید اور نون ثقیلہ ہے۔ یہ فعل زمانہ حال اور زمانہ استقبال و مستقبل دونوں پر بیک وقت دلالت کرتا ہے۔ اس لیے لترکبن کے ذریعے قرآن یہ بات واضح کررہا ہے کہ یہ واقعہ مستقبل میں وقوع پذیر ہوگا۔ یہ قرآن کی پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی تھی جسے مستقبل میں ظاہر ہونا تھا اور قرآن نے اس پیشین گوئی میں یہ بھی ظاہر کیا اس سفر پر جانے والے کم از کم تین افراد ہوں گے اور تینوں صاحب ایمان نہیں ہوں گے اور حقیقت میں ایسا ہی تھا اس لیے فرمایا فما لھم لا یومنون پس انہیں کیا ہے پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔

تسخیر ماہتاب کی تصدیق

اس تسخیر ماہتاب کے سارے واقعہ کو ایک غیر مسلم جو کہ بعد میں مسلمان ہوگیا فرانسیسی سکالر Dr. Maurice Bucailli اپنی کتاب The Quran and Modern Science کے باب میں The conquest of space کے عنوان کے تحت صفحہ ۱۶۷ تا ۱۶۹ کے تحت بیان کرتا ہے کہ 1961ء میں انسان چاند کی سطح پر پہنچا ہے جبکہ قرآن اس کا ذکر چودہ سو سال قبل اپنی مختلف آیات میں کرچکا ہے۔

اس لیے قرآن ہمیں یہ درس دیتا ہے تمہارے پاس جو کچھ علم ہے جو ظاہر ہوا ہے اور جو ظاہر ہونا ہے وہ ذات وھو بکل شیءعلیم (الانعام،۶:۱۰۱) ہر چیز کو جاننے والی ہے۔

اور سورہ الطلاق میں ارشاد فرمایا:

وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔

''اور یہ کہ اللہ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ فرما رکھا ہے۔ (یعنی آنے والے زمانوں میں جب سائنسی انکشافات کامل ہوں گے تو تمہیں اللہ کی قدرت اور علمِ محیط کی عظمت کا اندازہ ہوجائے گا کہ کس طرح اُس نے صدیوں قبل ان حقائق کو تمہارے لیے بیان فرما رکھا ہے)''۔ (الطلاق، ۱۲:۶۵)

یعنی آنے والے زمانوں میں جب سائنسی انکشافات کامل ہوں گے تو تمہیں اللہ کی قدرت اور علم محیط کی عظمت کا اندازہ ہوجائے گا کہ کس طرح اس نے صدیوں قبل ان حقائق کوتمہارے لیے بیان کردیا ہے۔

تسخیر ماہتاب اور معجزات کی تصدیق

تسخیر ماہتاب کے لیے انسان کی یہ کامیاب پرواز اور کاوش ہمیں واقعہ معراج النبی ﷺ کی صحت و حقانیت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ وہ معجزات جن کو انسانی عقل منطقی پیمانوں کی بنا پر سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے سائنس وٹیکنالوجی کے فروغ نے کسی حد تک ان کو سمجھنے کی مادی اور عقلی بنیادیں فراہم کردی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ امر منکشف ہوتا جارہا ہے کہ انسان جسے ایک دور میں ناممکن سمجھتا تھا وہ مستقبل میں نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہوتا جارہا ہے۔ اس لیے نام نہاد تعقل پسند طبقے کے انکار کے حوالے سے یہ بات خود عقل کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ عقل کا انحصار صرف محسوسات اور مشاہدات پر ہوتا ہے جب تک کوئی حقیقت محسوس نہ ہو یا اس کے مشاہدے میں نہ آئے عقل اس کو ماننے کے لیے تیارنہیں ہوتی۔ عقل کا اپنی کم فہمی کی بنا پر کسی حقیقت کا انکار کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے بعض چیزوں کو عقل سے نہیں وجدان اور ایمان سے مانا جاتا ہے اور مسلمان کے ایمان کی بنیاد ہی یومنون بالغیب ہے۔

خلاصہ کلام

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو **سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض** کا درس حیات دیا ہے۔ اس زمین و آسمان کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر کردی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس امت کو بتایا اللہ نے تمہارے لیے سورج و چاند اور لیل و نہار کو مسخر کردیا گیا۔ تم تسخیر ذات کا سفر طے کرکے تسخیر کائنات کے سفر تک پہنچو اور فرمایا میری نگاہ نبوت دیکھ رہی ہے کہ اس زمین کے مشارق و مغارب کو تمہارے لیے مسخر کردیا گیا ہے۔ پس تم میرے اس نبوی مشن، اسلام کی دعوت کو دنیا کے اطراف و اکناف میں پہنچادو۔ اللہ نے زمین کے مشارق و مغارب کو میری نگاہوں میں سمیٹ دیا ہے۔ میں ان کو دیکھ رہا ہوں پس اس دین کو وہاں وہاں تک پہنچادو جو مجھے دکھایا گیا ہے اور جو میں دیکھ رہا ہوں اس لیے میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں:

ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا وان ملک امتی سیبلغ ما زوی لی منھا.

(صحیح مسلم، کتاب الفتن، رقم حدیث :۲۸۸۹)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا ہے پس میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا ہے اور بے شک میری امت کی سلطنت عنقریب ان حدوں تک پہنچ جائے گی جو اس زمین میں سے میرے لیے سمیٹی گئی ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث کی بنا پر امت ہر ہر چیز میں آگے بڑھتی چلی گئی۔ مسلمانوں کا طرۂ امتیاز علم و تحقیق رہا، علم کی شمع ہر سو روشن کرتے گئے اور علم کو پھیلاتے گئے اور فروغ دیتے رہے اس واقعہ معراج کا بھی سب سے بڑا درس حیات امت کے لیے حصول علم ہے اور فروغ علم و تحقیق ہے دیگر انبیاء کی دعاؤں کے پہلو بہ پہلو ہم نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی دعا کو دیکھیں تو خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ہی سکھایا۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا. اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔

☆☆☆☆☆

فکرِ اقبال نظریہ پاکستان کی اساس

زندہ قومیں قوتِ عمل اور بصیرت سے بحرانوں سے نبرد آزما ہوتی ہیں

ہمارے جداگانہ تشخص کی اساس ہماری اسلام سے وابستگی ہے

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

زندہ قومیں اپنی حیات اجتماعی میں مختلف بحرانوں اور مسائل سے دو چار ہوتی ہیں مگر وہ اپنی قوت عمل اور بصیرت سے ان بحرانوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اپنے لیے بقا کی راہیں پیدا کر لیتی ہیں تاہم جب بحران کی وجوہات خود قوم کے اپنے وجود میں پیدا ہونے لگیں تو یہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ آج پاکستانی معاشرہ ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہے گو قیام پاکستان کے بعد سے ہم مختلف بحرانوں اور مسائل کا شکار ہے مگر موجودہ دور ماضی سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ آج ہم معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے جس انتشار کا شکار ہیں اس کی اساس وہ فکری اور نظریاتی سطح پر ابہام ہے جس کی جڑیں ہمارے تصور دین تک جا پہنچتی ہیں۔

قیام پاکستان کی اساس کیا تھی؟

یہ تاریخی حقیقت کہ پاکستان کا قیام ایک جداگانہ قومیت کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا، یہ بنیاد ایک قوت محرکہ کے طور پر قوم کی تشکیل نو کے لیے استعمال ہوسکتی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ آج بھی یہی قوت محرکہ ہمیں ایک جسد واحد بنا سکتی ہے۔ ہمارے جداگانہ تشخص کی اساس ہماری اسلام سے وابستگی ہے۔ اہل پاکستان کوئی نسلی وحدت نہیں ہیں نہ ہی لسانی وحدت ہیں یعنی قوم کے روایتی مفہوم کے مطابق ہم نہ تو قوم ہیں اور نہ ہی قوم بن سکتے ہیں۔ پاکستان کا قیام کسی قوم کی تحریک کا نتیجہ نہیں بلکہ خود پاکستان کا نتیجہ پاکستانی قوم ہے یعنی پاکستان کی نظریاتی اساس ہی ہمارے قوم ہونے کی اساس ہے اگر اس حقیقت کو نظر انداز کر کے ہم نے قوم ہونے کی کوئی اور اساس تلاش کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ خود اپنی بنیاد کو تباہ کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ نظریہ پاکستان کی اساس اقبال کی وہ فکر بنی جو الہ آباد میں انہوں تاریخی خطاب میں دی آپ نے فرمایا:

it cannot be denied that Islam, regarded as an ethical ideal plus a certain kind of polity. by which expression I mean a social structure regulated by a legal system and animiated by a specific ethical ideal-has been the cheif formative factor in the life-history of the Muslims of India. It has furnished those basic emotions and loyalties which gradually unify scattered individuals and groups, and finally transform them into a well-defined people, possessing a moral consciousness of their own. Indeed it is not an exaggeration to say

that India is perhaps the only country in the world where Islam, as a people-building force, has worked at its best. In India, as elsewhere, the structure of Islam as a society is almost entirely due to the working of Islam as a culture inspired by a specific ethical ideal. What I mean to say is that Muslim society, with its remarkable homogeneity and inner unity, has grown to be what it is, under the pressure of the laws and institutions associated with the culture of Islam.

یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام بطور ایک اخلاقی نصب العین اور سیاسی نظام مسلمانان ہند کی تاریخ کا اہم ترین جزو ترکیبی رہا ہے۔ اس اصطلاح سے میری مراد ایک ایسا معاشرتی ڈھانچہ ہے جس کا نظم و ضبط ایک مخصوص اخلاقی نصب العین اور نظام قانون کے تحت عمل میں آتا ہے۔ اسلام ہی نے وہ بنیادی جذبات اور وفاکشی فراہم کی جو منتشر انسانوں اور گروہوں کو بتدریج متحد کرتی ہے اور انہیں ایک اپنا اخلاقی شعور رکھنے والی متمیّز و معین قوم میں تبدیل کر دیتی ہے۔ حقیقت میں یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں اسلام ایک بہترین مردم ساز قوت کی حیثیت سے جلوہ گر ہوا ہے۔ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی اسلامی معاشرہ تقریباً پوری طرح ایک مخصوص اخلاقی نصب العین کی ثقافت سے بنا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلم معاشرہ اپنی نمایاں ہم آہنگی اور اندرونی اتحاد کی جس صورت میں ارتقا پذیر ہوا ہے، وہ ان قوانین اور اداروں کے باعث ہے جو اسلامی ثقافت سے وابستہ ہیں۔

اس کے بعد علامہ فرماتے ہیں:

The religious ideal of Islam, therefore, is organically related to the social order which it has created. The rejection of the one will eventually involve the rejection of the other. Therefore the construction of a polity on national lines, if it means a displacement of the Islamic principle of solidarity, is simply unthinkable to a Muslim. This is a matter which at the present moment directly concern the Muslims of India.

”اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے مربوط و منسلک ہے جو خود اس کا اپنا پیدا کردہ ہے اگر ایک کو رد کیا گیا تو دوسرا خودبخود مسترد ہوجائے گا اس لیے ایک مسلمان اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ نظام سیاست کو ایسے قومی خطوط پر مرتب کیا جائے جس سے اسلام کے اصول اتحاد کی نفی ہوجائے۔ یہی مسئلہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے ہے“۔

علامہ محمد اقبالؒ کے خطبہ کی روشنی میں دیکھیں تو آج قوم میں یہ احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان ایک عظیم مقصد کے لیے وجود میں آیا تھا۔ بانیان پاکستان کا وژن بڑا واضح تھا وہ جب برصغیر میں پاکستان کا مطالبہ کررہے تھے اور قیام پاکستان کی جدوجہد کررہے تھے تو ان کے پیش نظر صرف زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنا نہ تھا بلکہ اس خطے کے مسلمانوں، برصغیر کے مسلمانوں اور ایشیا کے عوام کے حقوق کی بازیابی اور یہاں ایک پرامن فلاحی معاشرے کے قیام کو یقینی بنانا تھا۔ خطبہ الہ آباد کا اختتام کرتے ہوئے علامہ نے کہا تھا:

Gentlemen, I have finished. In conclusion I cannot but impress upon you that the present crisis in the history

of India demands complete organisation and unity of will and purpose in the Muslim community, both in your own interest as a community and in the interest of India as a whole. The political bondage of India has been and is a source of infinite misery to the whole of Asia. It has suppressed the spirit of the East and wholly deprived her of that joy of self-expression which once made her the creator of a great and glorious culture. We have a duty towards India where we are destined to live and die. We have a duty towards Asia, especially Muslim Asia. And since 70 millions of Muslims in a single country constitute a far more valuable asset to Islam than all the countries of Muslim Asia put together, we must look at the Indian problem not only from the Muslim point of view, but also from the standpoint of the Indian Muslim as such. Our duty towards Asia and India cannot be loyally performed without an organised will fixed on a definite purpose. In your own interest, as a political entity among other political entities of India, such an equipment is an absolute necessity.

حضرات! میری تقریر ختم ہوئی۔ آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تاریخ ہندوستان کے موجودہ نازک دور میں مسلمانوں کو مکمل تنظیم اور اتحادِ عزائم و مقاصد کی ضرورت ہے جو بحیثیت قوم آپ کے اور ہندوستان کے مجموعی مفاد کے لیے ضروری ہے۔ ہندوستان کی سیاسی غلامی پورے ایشیا کے لیے لامتناہی مصائب کا سرچشمہ تھی اور اب بھی ہے۔ اس نے مشرق کی روح کو کچل ڈالا ہے اور اس اظہار ذات کی مسرت سے پوری طرح محروم کردیا جس کی بدولت کبھی ایک بڑا اور شان دار تمدن پیدا ہوا تھا۔ ہم پر ایشیا بالخصوص مسلم ایشیا کی طرف سے بھی ایک فرض عائد ہوتا ہے۔ ایک ہی ملک میں سات کروڑ مسلمانوں کی موجودگی تمام مسلم ایشیا کے مسلمانوں کے مقابلے میں اسلام کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ ہمیں ہندوستان کے مسئلے پر صرف مسلمانوں کے نقطہ نگاہ سے ہی نہیں ہندوستانی مسلمانوں کے نقطہ نگاہ سے بھی دیکھنا چاہئے۔ ایشیا اور ہندوستان کی طرف سے عائد شدہ فرض ہم اس وقت تک وفاداری کے ساتھ ادا نہیں کرسکتے جب تک ہم ایک مخصوص مقصد کے لیے منظّم عزم نہ کرلیں۔

یہ محض ایک نظریاتی یا فکری بیان نہ تھا جو علامہ اقبال نے دیا بلکہ اجتماعی مقصد کے لیے یہ سب کچھ آل انڈیا مسلم لیگ کا مطمع نظر بھی تھا۔ علامہ اقبال کے وصال کے بعد جب پاکستان وجود میں آیا تو اس کی بنیاد یہی نظریہ بنا جو انہوں نے دیا۔ آج ضرورت اس امر کی ہے نوجوانانِ پاکستان کو اُس نظریہ سے روشناس کروایا جائے جو اقبال کی فکر نے دیا کیونکہ یہ نظریہ ہماری بقا کے لیے ناگزیر ہے۔

(ڈاکٹر طاہر حمید تنولی کی گفتگو سے ماخوذ)

☆☆☆☆☆

کلامِ اقبالؒ میں مذہبی و تاریخی تمثال نگاری

اشعار شاعر کی لاشعوری خواہشات کے ترجمان ہوتے ہیں، حکیم الامت کی ہر تمثال ان کے فکر و فلسفہ اور شاعرانہ عظمت کی نمائندہ ہے

مسز ڈاکٹر فرخ اقبال (اسسٹنٹ پروفیسر کنیئرڈ کالج لاہور)

انسانی ذہن کے پردہ سیمیں پر الفاظ کے ذریعے جو تصویر بنتی ہے اسے پیکر کہتے ہیں اور ان تمام پیکروں کا تعلق انسان کے تجربے اور مشاہدے میں آنے والی متعلقہ اور غیر متعلقہ اشیاء سے بھی ہوسکتا ہے اور انسانی تجربے سے مطلقاً باہر کی دُنیا سے بھی ہوسکتا ہے مثلاً ماورائی ، غیر مادی اور روحانی پیکر بھی انسان کے ذہن پر منقش ہوسکتے ہیں جن کو انسان نہ چھوسکتا ہے اور نہ ہی انکا مطالعہ ظاہری بصارت سے کرسکتا ہے یعنی ایسے پیکر حواسِ خمسہ کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں لہذا ادبی دنیا میں شعری پیکر کی اقسام کا تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جسطرح انسانی سوچ ایک دوسرے سے مختلف ہے اُسی طرح ذہن پر ابھرنے والے شعری پیکر بھی مختلف ہونگے۔

اقبال جس ماحول میں پلے بڑھے وہ انتہائی مذہبی ماحول تھا اور اس حوالے سے اقبال کا بھی اس ماحول سے اثرات قبول کرناایک فطری امر تھا۔ ان کے والدین نے انہیں مذہبی تعلیم مولوی میر حسن سے دلوائی جہاں انہوں نے عربی زبان سیکھی، ابتدائی سطح سے لیکر زمانہ طالبعلمی کے آخر تک یہ سلسلہ مستقل جاری رہا اور اسطرح اقبال کے مذہبی مطالعے میں وسعت پیدا ہوگئی اور انکے پورے کلام سے اس بات کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اشعار میں جگہ جگہ مذہبی حوالے دیئے ہیں اور بہت سی اصطلاحات جن کا تعلق قرآن و حدیث اور اسلامی روایات سے ہے ،اقبال کی مذہب سے رغبت اور محبت کی عکاسی کرتی ہیں۔

اگر ہم اقبال کے مذہبی پیکر پر بات کریں تو ہمیں ان کی بھی مختلف اقسام نظر آتی ہیں کہیں ایسے پیکر تراشے ہیں جو براہ راست قرآنی حوالوں سے منسلک ہیں اور کہیں غیر مرئی قسم کے شخصی پیکروں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ انبیاء اولیاء وصلحاء اور متعدد شخصیات کے پیکر اقبال کے شعروں میں ابھرتے ہیں جن میں نبی آخرالزماں ﷺ ، حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ و حضرت شعیب، حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت ادریس، حضرت خضر علیہم السلام ، حضرت صدیق اکبر، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم جیسی قابل ذکر شخصیات کا ذکر اقبال کی شاعری میں آتا ہے علاوہ ازیں مذہبی مقامات بھی اقبال کی پیکر تراشی کا حصہ ہیں۔ اقبال کے کلام میں پیکر تراشی کی یہ بنیادیں مذہبی اجزاء سے تعمیر ہوتی ہیں۔ ان میں مختلف عقائد کو بہت اہمیت حاصل ہے مثلاً ملائکہ، جبرئیل، ابلیس، جنت و جہنم، تسنیم و کوثر اور سلسبیل وغیرہ جیسے مذہبی اساطیری پیکر ہیں جن سے اقبال کے مذہبی رویوں کا اندازہ باآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

"اقبال کی تمام پیکر تراشی میں دو طرح کے پیکر ممتاز ہیں ایک تو اقبال کے مذہبی تاریخی پیکر جس میں اقبال

نے اپنے پیغام کے ابلاغ کے لیے مذہبی تاریخی واقعات کا اشارتاً ذکر کیاہے۔ عالم اسلام کے ان تاریخی پیکروں نے اقبال کے کلام میں معنویت پیدا کی ہے شاید اس کا بدل دوسرے پیکر نہیں ہوسکتے اسلامی اقدار کے احیاء کے لیے اقبال عالم اسلام سے ایسے پیکروں کا انتخاب کرتے ہیں جس سے قاری پران اقدار کی حقیقت کا از سر نو انکشاف ہو جائے گویا تاریخی پیکروں کو وہ ایک نئے اسلوب اور نئے انداز سے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری وقت کے موجودہ تقاضوں کے ساتھ ان کی تاریخی قدامت سے بھی متاثر ہوتا ہے اور تازگی سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس طرح اقبال اپنے انوکھے عجیب انداز سے مذہبی، تاریخی حقائق کا تجزیہ کرجاتے ہیں۔ ذبح عظیم، شق ازانگشت او، ید بیضاء، ضرب کلیم، ضرب خلیل، آتش نمرود، اولاد ابراہیم، کشتی مسکین جان پاک دیوار یتیم وغیرہ ایسے تاریخی اور واقعاتی پیکر ہیں جن سے شعر پڑھنے کے بعد واقعہ کے تمام اجزاء قاری کے سامنے آجاتے ہیں اور تازگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ (اقبال نئی تشکیل :377، عزیز احمد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دھلی، 1980)

مثلاً

کشتی مسکین، جان پاک دیوار یتیم

علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

(بانگ درا: 268، کلیات اقبال حصہ اردو فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1981)

اس شعر میں حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے حوالے سے وہ تمام واقعہ اور وہ کردار ذہن میں ابھرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کشتی مسکین کا پیکر، جان پاک کا پیکر اور دیوار یتیم کے پیکر موسیٰ وخضر کے پیکروں کے ساتھ تشکیل پاتے ہیں۔

''یعنی اس پورے واقعے کو اقبال نے ایک شعر میں سمیٹ دیا اور مرئی اور تاریخی پیکر انسانی پردۂ بصارت پر آجاتے ہیں اس سے اقبال کے مذہبی علم اور ان کے اظہار

شاعری میں حسن کے ساتھ ساتھ ایک خاص شان پائی جاتی ہے اور بلاغت کی ہر کامیاب و پرجلال ادا پائی جاتی ہے اس سے دل و دماغ پر رعب کا تاثر چھا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ سخن کی دل نوازی بھی موجود ہے''۔

خیال کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور اگر اقبال اس قسم کے واقعات کو اپنے انوکھے انداز میں پیش نہ کرتے اور ان پیکروں کا استعمال نہ کرتے تو شاید کلام میں وہ تاثیر نہ ہوتی لہٰذا یہ مذہبی و تاریخی اور تلمیحاتی پیکر اقبال کے کلام میں صنائع معنوی کا کام بھی دیتے ہیں اور ان مذہبی اقدار کو بھی زندہ کرتے ہیں جو تاریخ کا حصہ تھیں''۔ (اقبال کی شاعری میں پیکر تراشی: 103، ڈاکٹر توقیر احمد خان، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دھلی 2، 1989)

ان تاریخی پیکروں کے استعمال میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ان سے واقعاتی حقائق کی بہتر ترجمانی ہوجاتی ہے جس کے لیے شاید اس سے بڑھ کر کوئی دوسری بات ممکن نہیں تھی اسی طرح کشتی مسکین جاں پاک اور دیوار یتیم کے تاریخی مذہبی پیکروں کی مدد سے قاری پر وہ تمام تاریخی حالات منکشف ہو جاتے ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر السلام سے علم سیکھنے کی درخواست کی تھی۔ جیسا کہ بال جبریل کا یہ شعر۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر

شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(بال جبریل : 89، کلیات اقبال حصہ اردو فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1981)

ان کی شاعری کو پڑھنے کے بعد انسانی ذہن میں جو پیکر ابھرتے ہیں ان سے قاری مذہبی و تاریخی واقعات کے حوالے سے اس دنیا میں پہنچ جاتا ہے جو اصلیت کی دنیا تھی اور اس طرح اقبال کا وہ مقصد خاص بھی پورا ہو جاتا ہے جس کو

اسلامی اقدار کے احیاء کے لیے اقبال عالم اسلام سے ایسے پیکروں کا انتخاب کرتے ہیں جس سے قاری پر ان اقدار کی حقیقت کا از سرِ نو انکشاف ہو جائے گویا تاریخی پیکروں کو وہ ایک نئے اسلوب اور نئے انداز سے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری وقت کے موجودہ تقاضوں کے ساتھ ان کی تاریخی قدامت سے بھی متاثر ہوتا ہے اور تازگی سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔

اجاگر کرنے کے لیے وہ ان پیکروں کی تشکیل کرتے ہیں اور اقبال کی مقصدیت کی بھر پور ترجمانی کرتے ہیں اور ان پیکروں کو اقبال نے روایتاً استعمال نہیں کیا بلکہ اپنی شاعری میں نئے الفاظ و تراکیب کے ساتھ ساتھ نئے نئے مفاہیم سے بھی متعارف کرایا ہے ان کے علاوہ اقبال کے پیکر عربی تہذیب اور عربی ادب کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔ مثلاً اذان، دجلہ و فرات، وادی ایمن، چادر زہرہؓ۔نغمہ سار بان، ریگ نوح کاظمہ وغیرہ اگرچہ ادبی اور لفظی پیکر ہیں لیکن وہ اقبال کے مذہبی رویوں کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں اور کلام کو معنویت اور شعری حسن کو ابدیت بخشتے ہیں، ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول:

''اقبال کی شاعری کے خارجی پیکر ان کے داخلی تصورات کے مطابق ہے اسی وجہ سے اس سے وہی تاثر پیدا ہوتا ہے جو اقبال کو مطلوب تھا۔ اقبال کی شاعری میں حسن کے ساتھ ساتھ ایک خاص شان پائی جاتی ہے اور بلاغت کی ہر کامیاب و پرجلال ادا پائی جاتی ہے اس سے دل و دماغ پر رعب کا تاثر چھا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ سخن کی دل نوازی بھی موجود ہے''۔ (اعجاز اقبال : 27، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 2004)

شاعری میں تمثال نگاری کا مطالعہ کرنے سے قاری کو شاعر کے خارجی و داخلی تجربات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی بلندی فکر اور اس کے مشاہدات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے چونکہ ہر شاعر کا کلام اس کے مزاج، رویوں اور عقیدے کا عکاس ہوتا ہے اور اس کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے لہٰذا اس کا ہر شعر اس کی لاشعوری خواہشات کی مکمل ترجمانی کرتا ہے، اور اقبال کی شاعری میں تمثال نگاری کے مطالعے سے اس کے فکر و خیالات اور تجربات و مشاہدات یعنی داخلی و خارجی دنیا کے متعلق بہت سی نادر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اقبال کی ہر تمثیل ان کے فکر و فلسفہ اور اس کی شاعرانہ عظمت کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس سلسلے میں حامدی کشمیری لکھتے ہیں:

''اقبال کی شاعری میں بعض ایسے مخصوص پیکر بھی موجود ہیں جو تسلسل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے پیکر ہر بار شعر کے سیاق و سباق میں ایک نئے معنوی دائرے کی بجائے مختلف دائرں کو روشن کرتے ہیں۔ ایسے پیکر ان کی شاعری میں کلیدی یا تصرفی پیکروں کی حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ یہ شاعر کے فکر، لاشعور اور جذباتی رویوں سے گہرے طور پر مربوط ہوتے ہیں۔ (حرف راز: 125، حامدی کشمیری، مصطفیٰ پبلی کیشنز، 2004)

لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ اقبال کے ہاں ان تمام تمثیلوں کی مختلف جہات ہیں ان گوناگوں تمثالوں کے ذریعے وہ ہمیں اپنا پیغام دیتے ہیں اور ان کے یہ مختلف پیکر ہمیں متحرک اور باعمل بننے پر مائل کرتے ہیں انہوں نے تمثال نگاری میں اسلوب کی ظاہری خوبصورتی کے مقابلے میں فکر و معنویت پر زیادہ زور دیا ہے۔ روایتی قدیم استعاراتی تمثالوں میں نئی روح پھونک کر اپنے پیغام کو زیادہ مئوثر بنایا ہے اور ان لفظی و معنوی اختراعات کے نتیجے میں ایسی ایسی نادر الوجود اور انوکھی تمثالیں سامنے آتی ہیں جو نہ تو اقبال سے پہلے تھیں اور نہ ہی بعد میں آج تک دکھائی یا سُنائی دی ہیں۔ یہ اقبال کے کلام ہی کا اعجاز ہے کہ اُن کے کلام میں لا تعداد شعری پیکر ان کے فکر کے پیامبر بن کر قدم قدم پر قاری کو حرکت و عمل کا پیغام دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

علامہ اقبالؒ کا فکر و فلسفہ اور موجودہ نسل

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حکیم الامت کی شاعری میں مقصدیتِ حیات وممات کے اسرار ہیں

جویریہ سحرش

شاعر مشرق حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اُن کی شخصیت، شاعری اور علم و حکمت کے معترف صرف مشرق کے لوگ ہی نہیں بلکہ مغرب والے بھی ان کی فلسفہ زندگی سے متاثر ہیں۔ بچپن سے لے کر جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک ان کی زندگی ایک مؤمن کی زندگی ہے۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعے امت مسلمہ کو پیغام دیتے ہیں کہ وہ نہ صرف اس دنیا میں شان سے جئے بلکہ روز آخرت میں اپنے رب کے سامنے سرخروئی حاصل کرے۔ علامہ اقبال نہ صرف ہمارے قومی شاعر ہیں بلکہ وہ پوری دنیا کے قومی شاعر ہیں۔ ان کا مجموعہ شاعری انگلش، اردو اور فارسی زبان میں ہے۔

وہ بچپن سے چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھا کرتے تھے اور ان کی پرورش ایک مذہبی ماحول میں ہوئی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب حضرت محمد ﷺ سے انہیں خاص عشق تھا۔ ان کی شاعری کو بھی اس عشق میں ڈوبا ہوا دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں مسلمان کو خاص مقام دیا ہے کہ اگر وہ ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرلے تو اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرسکتا ہے۔ ان کے ایک شعر سے شروع کرتے ہیں۔

انداز بیاں اگرچہ میرا شوخ نہیں ہے
شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

جیسے کہ ان کے اس شعر سے ہی ظاہر ہے کہ ان کا انداز بیاں کسی عام شاعر کی طرح رنگ و بوعشق ومعشوق یا کسی رنگین داستاں سے مزین نہیں کہ جس کی طرف نوجوان لوگ زیادہ متوجہ ہوتے ہیں لیکن پھر بھی وہ امید کرتے ہیں کہ شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات۔ شاید کا لفظ انسان تب استعمال کرتا ہے جب وہ بے یقینی کی کیفیت میں ہوتا ہے ان کی شاعری کا انداز بیاں اوروں سے ہٹ کر ہے۔ رنگین، بناوٹی اور جھوٹی چمک دمک سے مبرا ہے۔ ایک مرد مومن کی زندگی کے لیے جو فلسفہ وفکر انہوں نے اپنی خوبصورت شاعری میں دیا ہے جب اس کو کوئی صاحب علم پڑھتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ اسے قرآن پاک کا ترجمہ شاعری کی صورت میں مل گیا ہو۔ ان کی شاعری سے انسان پر علم و حکمت کے ایسے اسرار کھلتے ہیں کہ وہ دنگ رہ جاتا ہے۔

اتنی گہرائی، مقصدیت حیات وممات اور کائنات کے اسرار ان کی شاعری میں پائے جاتے ہیں شاید ہی کسی شاعر نے بیان کئے ہوں۔ ان کی شاعری ہر عمر کے لوگوں کے لیے سیکھنے کا پہلو رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں فلسفہ خودی کو پیش کیا جو بہت ہی مشہور ہے۔

نوجوانوں کو وہ شاہین سے مماثلت دیتے ہیں ایک دن ان سے سید ایوب نیازی نے پوچھا کہ آپ کی شاعری میں

خودی کا فلسفہ کیا ہے تو انہوں نے ان سے قرآن پاک لانے کو کہا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (الحشر، ۵۹:۱۹)

''اے لوگو ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا''۔

اگر آج ہم اپنی زندگیوں پر غور کریں تو ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ ہم اپنی زندگیوں کے شب و روز میں اتنا گم ہوگئے ہیں کہ ہمیں اپنا رب یاد ہی نہیں نہ اس کے احکام نہ اس کے حبیب ﷺ کا طریقہ زندگی، تو کیا یہ ہماری بدنصیبی نہیں ہے۔ اس نے ہمیں اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ علامہ اقبال اپنے فلسفہ خودی سے ہمیں خود شناسی، خدا شناسی کا درس دیتے ہیں۔ خودی کا نظریہ سمجھنے کے لیے ان کی شاعری کا بغور مشاہدہ کریں خودی کیا ہے؟

خودی کا نشیمن تیرے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کی تلاش کے لئے اے انسان تجھے اپنے دل کو ٹٹولنا ہوگا۔ میں کیا ہوں؟ میں کون ہوں؟ میں کائنات میں کس لیے آیا ہوں؟ میرے آنے کا مقصد کیا ہے؟ اور میں نے کہاں جانا ہے؟ ان سب چیزوں کے سمجھنے کے بعد یہ دنیا تیرے سامنے ایسے بن جائے گی جیسے ایک تل ہو۔

ہے نور تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں

کہ رب کی ذات تو تیرے اس خاک سے بنے جسم سے ظاہر ہے اس کے نور کا تو معجزہ ہے۔ اے انسان تو اتنا غافل ہے کہ اپنے آپ کی پہچان نہیں کر سکا کہ اپنے خالق کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ خودی وہ غیر معمولی روحانی طاقت ہے جو انسان کے اس مٹی کے وجود کا اصل ہے۔ اگر وہی چیز اس کے وجود سے نکال لی جائے تو وہ مٹی کے پتلے کے سوا کچھ بھی نہیں جس کو معاشرہ اپنی انگلیوں پہ نچاتا ہے۔

علامہ اقبال انسان کی اسی طاقت خودی کی تعمیر و تربیت کرتے ہیں اور وہ اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کی تاریخ کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں کو خود شناسی ہوئی تو اس نے انہیں اوج ثریا تک پہنچا دیا تو یہ آج کا انسان کہاں بھٹکتا پھر رہا ہے نہ اسے اپنا ہوش ہے اور نہ ہی اپنی آنے والی نسلوں کا، بس اپنے نفس کا غلام بن کر رہ گیا ہے جس نے اس سے صحیح اور غلط کی تمیز ہی نہیں چھینی بلکہ اس سے اس کی شناخت ہی چھین لی ہے اور اس کی شخصیت کو مسخ کر ڈالا ہے۔ ان کی شاعری قوم مسلم کی غیرت کو جگاتی ہے۔

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے

ان کی شاعری میں پیغام ہے کرب و رنج ہے کہ اے مسلمانو تم صرف نام کے مسلماں کیوں، تمہارا دل حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسا نرم، حضرت عمرؓ جیسا بہادر اور مولا علی کرم اللہ وجہہؓ جیسا نڈر بہادر کیوں نہیں ہے۔ ہم صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ہم بھول گئے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

ہم نے پتہ نہیں کیسے کیسے لوگوں کو اپنا پیشوا بنالیا ہے کہ ہماری نماز بے روح ہیں جو رب کی بارگاہ میں قبول ہی نہیں۔ جب قبلہ ہی درست نہیں تو نماز کیسے قبول ہوگی۔ فرقہ واریت میں پڑے ہوئے ہیں۔ مسلمان مسلمان کو قتل کر رہا ہے۔ اپنے بھائی کے بچوں کا قتل کر رہا ہے حالانکہ ایک ایسے مذہب کے پیروکار ہیں جس میں ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل شمار ہوتا ہے۔

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
عشق قاتل سے بھی، مقتول سے بھی ہمدردی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا

سجدہ خالق کو بھی، ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا

ان کی شاعری میں انہوں نے معاشرے کے جن ناسور کو واضح کیا ہے۔ آج آدھی سے زیادہ صدی ان کی شاعری کو لکھے ہوئے ہوگی ہے وہ تمام چیز ویسی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ خوفناک شکل اختیار کرگئی ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
عجیب نہیں کہ پریشان ہے گفتگو میری
فروغ صبح پریشان نہیں تو کچھ بھی نہیں

ان کی شاعری مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑتی ہے۔ انہیں جگاتی ہے کہ منہ سے صرف مسلمان ہوجانے والوعمل سے بھی مسلمان بنو۔ یہ تو اس عربی ﷺ کا دین ہے جس نے اپنی بیٹی بی بی فاطمہؓ کا کہہ دیا تھا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نبی کی بیٹی ہو بلکہ تمہارا عمل ہی تم کو جنت میں لے جائے گا۔

تو ہم تمام مسلم کس خواب غفلت میں کھوکر اپنی زندگیاں برباد کررہے ہیں۔ یہ زمین و آسمان گواہ ہیں کہ جب مسلمانوں کو اپنی خودشناسی یا خودی کی پہچان ہوتی تب انہوں نے پوری دنیا میں اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑے اپنے اخلاق و کردار سے لوگوں کے دلوں کوتسخیر کرلیا۔ نہ صرف دنیا پر راج کیا بلکہ لوگوں کے دلوں پر بھی راج کیا انہیں کے بارے علامہ اقبال کہتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ جس قوم کو ایسے عالم و رہنما ملے ہوں وہ قوم بھٹکتی پھر رہی ہے۔ جس قوم کا ایسا شاعر ہو جن کی شاعری روح کو تڑپا دے جو مردہ دلوں کو زندہ کردے اس قوم کی بدنصیبی دیکھیں انہیں اپنے شاعر کی شاعری سمجھ نہیں آتی ہے۔ سکولوں، کالجوں میں صبح لب پہ آتی کی دعا تو پڑھائی جاتی ہے لیکن اس کا مطلب کبھی نہیں سمجھایا گیا۔ نوجوان نسل خودی کو ہی سمجھنے میں ابھی الجھی ہوئی ہے۔ مطالب و معنی تو دور کی بات ابھی وہ ادائیگی ہی کے مراحل نہیں طے کر پائی۔ اقبال ڈے پر چند نظمیں پڑھنے اور ان کی قبر پر پھول چڑھانے اور ترانے سُر کے ساتھ پڑھانے پر زور دیا جانا ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ مسلمان قوم کا المیہ ہے کہ تقریباً 70 سال گزرنے کے باوجود بھی علامہ اقبال کا خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا۔

ہماری نوجوان نسل تو اپنے نفسوں کی اتنی غلام بن گئی ہے کہ اس نے اپنی خودی روحانی طاقت کو اپنی نفسانی خواہشات کے نیچے روند ڈالا ہے کہ وہ زخمی ہوگئی ہے اور اپنی بے مقصد زندگی پر روتی ہے کہ کب اس کو اس جسم نافرمان سے رہائی ملے اور وہ اس تن مردہ سے اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ علامہ اقبال کو ایسے ہی حکیم الامت کا خطاب نہیں دیا گیا۔ ڈاکٹر تو ہمارے ظاہری اعضاء کا علاج کرتا ہے۔ علامہ اقبال اپنی شاعری کے ذریعے ہمارا روحانی علاج کرتے ہیں، روح کی بیماریوں کو دور کرتے ہیں۔ لیکن افسوس! اپنی نسل نو کے لیے امت مسلمہ کے لیے انہوں نے جو لکھا ان کے پاس تو ان کو پڑھنے کا وقت ہی نہیں ہے نئی نسل کبھی تو مغرب کے علوم چھانتی ہے تو کبھی ان کی بوسیدہ تہذیبوں کی تقلید میں لگ جاتی ہے۔ جن کی حقیقت میں کوئی تہذیب ہی نہیں مسلمان اپنی الہامی تہذیب کو چھوڑ رہے ہیں اور دربدر بھٹک رہے ہیں۔ اے امت مسلمہ، اے نوجوانو! جاگو اس سے پہلے کہ بہت دیر ہوجائے۔ ہمیں اقبال کے خودی کے فلسفہ کو سمجھ کر آگے بڑھنا ہوگا یہی ہماری کامیابی کا ضامن ہوگا۔

☆☆☆☆☆

منبع و مصدرِ علم ۔۔۔ کتاب

قرآن نے اپنا تعارف الکتاب کے طور پر کروایا

دماغی بیماری الزائمر مطالعہ کرنے والے افراد میں اڑھائی گنا کم ہوتی ہے

ہانیہ ملک

کتاب منبع و مصدرِ علم ہے۔ کتاب غور وفکر کو پروان چڑھاتی ہے اور غور وفکر انسان کو حکمت و دانائی اور معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔ کتاب انسان کو طمانیت ،شعور آگہی اور وجدان کے خزینے عطا کرتی ہے۔ کتاب انسانی سوچوں کو گہرائی اور وسعت سے نوازتی ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے ابتدا میں ہی اپنا تعارف '' الکتاب'' کے طور پر کروایا۔ بے شمار حکمتوں کے ساتھ ساتھ اس میں یہ حکمت ہے کہ کتاب سے تعلق اور ربط پیدا کرنے کیلئے اللہ نے اپنے کلام کا نام '' الکتاب'' رکھا۔ کتاب کتابت سے ہے جس کا مطلب علم کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے بڑا مرتبہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

امریکہ کی یونیورسٹی میڈیکل سنٹر کی تحقیق کے مطابق جو بالغ حضرات تحقیقی یا دانشورانہ سرگرمیوں میں وقت گزارتے ہیں تو ان میں بڑھاپے یا ادھیڑ عمری میں دماغی تنزلی کی شرح ان افراد کے مقابلے میں 32 فیصد کم ہوتی ہے جو کتابوں یا ایسی سرگرمیوں سے دور بھاگتے ہیں اسی طرح دماغی بیماری الزائمر بھی مطالعہ کرنے والے افراد میں اڑھائی گنا کم ہوتی ہے۔

کتاب انسان کے اندر خوداعتمادی کو بڑھاتے ہوئے نئ منزلوں سے روشناس کرواتی ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ کتاب سے دوستی قوموں کی معاشی ، سماجی ، سائنسی اور تہذیب و ثقافت کی ترقی کی ضامن ہوتی ہے۔ ارسطو جس کی کتابیں اڑھائی ہزار سال بعد بھی علم وآگہی کا سمندر ہیں جو سکندر اعظم کا استاد تھا۔ اپنے استاد ارسطو کے بارے میں سکندر اعظم نے کہا تھا'' میرا باپ مجھے آسمان سے زمین پر لایا لیکن میرا استاد مجھے آسمان پر لے گیا''۔

یونانی ڈرامہ نگار یوری ہیڈس نے لکھا'' جو نوجوان مطالعہ سے گریز کرے وہ ماضی سے بے خبر اور مستقبل کیلئے مردہ ہوتا ہے''۔

ارسطو اور افلاطون کے نظریات ،مسلمان حکمرانوں اور بادشاہوں کے عدل و انصاف پر مبنی طرز حکومت کے قصے ،اولیاء ، صالحین اور صادقین کی زندگیوں کے ایمان اور یقین کو طاقت دینے والے واقعات کتابوں کے ذریعے ہی ہم تک پہنچے۔ کتاب اپنے پڑھنے والے کو جب بے شمار علم نوازتی ہے تو کتاب لکھنے والے کے کمالات اور خوبیوں کا شمار کرنا ہی ناممکن ہوگا۔ ہر شخص تخلیق کار اور لکھاری نہیں ہوسکتا۔

کتاب پڑھنے والے باشعور اور مہذب قوموں کے باشندے ہوتے ہیں۔ کتاب کی شان یہ بھی ہے کہ یہ ہر شک کو دور کر دیتی ہے اور یقین کی قوت سے مالا مال کر دیتی ہے۔

کتاب کی ابتداء انسان کی پیدائش سے ہی ہوتی ہے۔ کاغذ کی ایجاد سے پہلے انسان نے ہاتھی دانت ،درختوں کی چھالوں ، پتوں ، چٹانوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھا۔ کچھ مورخین کے مطابق دنیا کی پہلی کتاب'' الاموات'' ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جن قوموں نے کتاب سے دوستی رکھی وہ زندگی کے ہر میدان میں ترقی اور عروج کی منازل طے کرتی گئیں۔ جیسے ہی کتاب وعلم سے ناطہ ٹوٹا پستی اور ذلت نے گھیر لیا۔ خلفائے راشدین اور اولیائے کرام کتاب کے قدردان رہے۔ خلجی ،تغلق ، سادات ، لودھی اور مغل علم کے قدر دان رہے۔

ساتویں سے تیرھویں صدی تک بغداد علم و ادب کا

گہوارہ رہا۔ غرناطہ، قرطبہ اور بغداد دنیا کے عظیم تاریخی اور علمی سرمایہ تصور ہوتے تھے۔ سقوط بغداد کے بعد مسلمانوں کے عظیم کتب خانوں کو دریا برد کیا گیا۔ 1857ء میں جب مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہوا تو انگریزوں نے لال قلعے کی شاہی لائبریری سے ہزاروں کتابیں لندن پہنچا دیں۔ اغیار نے مسلمانوں کی میراث کتاب کو کبھی جلایا، کبھی سمندر برد کیا تو کبھی اسے لوٹ لیا۔ آج بھی لندن میں "انڈیا آفس لائبریری" اور پیرس لائبریری میں مسلمانوں کی ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ کربناک صورتحال کا ذکر علامہ محمد اقبالؒ نے کچھ اس طرح سے کیا۔

؎ تجھے آباء سے اپنے نسبت ہو نہیں سکتی
تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارہ
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا
وہ علم کے موتی اور کتابیں اپنے آباء کی
جو یورپ میں دیکھیں تو دل ہوتا ہے سہ پارہ

امریکہ، جاپان، چین، لندن، پیرس، کینیڈا، آسٹریلیا، اٹلی اور فرانس ایسے ممالک ہیں جہاں سب سے زیادہ کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔ دنیا میں اٹھائیس سے زیادہ ممالک ہیں جہاں کتابیں زیادہ فروخت ہوتی ہیں۔ ان ممالک میں ایک بھی اسلامی ملک نہیں۔ علم و ادب سے دوری نے مسلمانوں سے وقار اور تاج و تخت چھین لیے۔

اگر ہم وطن عزیز کی بات کریں تو انتہائی افسوسناک صورتحال سامنے آتی ہے۔ پاکستان میں کتاب سے دوستی رکھنے والوں کو خبطی، پاگل یا کتابی کیڑا جیسے القابات سے نوازا جاتا ہے۔ جبکہ ترقی یافتہ قومیں کتاب کے تخلیق کار، مفکر، دانشور، شاعر، مصنف، استاد اور ادیبوں کو عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ ایک سروے کے مطابق پاکستان میں 72 فیصد عوام کتاب سے دوری اور 27 فیصد کتب بینی کے شوقین ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ اسی طرح گیلپ سروے کے مطابق 93 فیصد کتابیں پڑھنے کے دعویدار اور 61% کتابیں نہیں پڑھتے۔

کتاب سے دوری کی بنیادی وجوہات کتاب کی اہمیت اور افادیت سے نا آشنائی ہے۔ پاکستان میں کم شرح خواندگی اس کی بنیادی وجہ ہے۔ پاکستان دشمن عناصر نے عوام کو علم و شعور سے دور رکھا۔ تعلیم پہ کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اس کی بنیادی وجہ حکومت کی عدم سرپرستی بھی ہے۔ مقتدر اور حکمران طبقہ کی ترجیحات میں عوام کبھی شامل رہے ہی نہیں۔ غربت، بے روزگاری، مہنگائی، اقتصادی پسماندگی میں عوام اتنا الجھ کر رہ گئی ہے کہ علم و ادب سے دور ہوتی گئی۔ جس سے صارفین کی قوت خرید میں شدید کمی ہوئی۔

کتب بینی سے دوری کی ایک بنیادی وجہ انٹرنیٹ، ویب سائٹس، سافٹ ویئرز، فری ڈاؤن لوڈنگ، الیکٹرانک میڈیا، یوٹیوب، سرچ اسٹیشن، گوگل اور وکی پیڈیا وغیرہ کا زیادہ استعمال بھی ہے۔ عوام کی اکثریت ہاتھوں میں کتاب کی بجائے موبائل دیکھنا پسند کرتی ہے۔ جس کہ وجہ سے لوگوں کا رجحان بدل چکا ہے۔ ہمارا ناقص تعلیمی نظام بھی طلباء اور طالبات میں کتب بینی کے شوق کو پروان چڑھانے میں ناکام ہو چکا ہے۔

وطن میں دہشت گردی، سیاسی عدم استحکام، انتہا پسندی اور خوف کی گرفت نے بھی عوام کو کتب بینی سے دور کر دیا ہے۔ معیاری کتابیں لکھنے والے مصنف، شاعر اور مفکر، ادیب اور دانشور اپنی کتابیں دوستوں میں مفت بانٹنے پر مجبور ہیں جبکہ مصلحت پسندی، اعزازات کی بندر بانٹ، چاپلوسی، غیر ملکی دوروں کی ہوس، راتوں رات امیر ہونے کی ڈاکٹرائن کا دور دورہ ہے۔ مقتدر طبقہ کی چاپلوسی اور مفاد پرستی میں لکھنے والوں کو نوازا جاتا ہے جس کہ وجہ سے کتاب اور ادب پر نزاع کا عالم طاری ہے۔

کتاب سے دوری کی وجہ ادبی تنظیموں پر مفاد پرست افراد کا قبضہ بھی ہے۔ جہاں اپنی پسند کے لکھاریوں کو نوازا جاتا ہے جبکہ بہترین ادب کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ فضول اور بے معنی مواد رکھنے والی کتابوں کی تقریب رونمایاں ہوتی ہیں اور اصل ادب کا استحصال ہو رہا ہے۔

پاکستان میں لائبریریاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لائبریریوں کی کمی بھی کتب بینی سے دوری کا ایک سبب ہے۔ لائبریوں کے قیام اور فروغ کیلئے حکومتی سطح پر فوری اور سنجیدہ اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں زیادہ کتابیں شاعری کی شائع ہوتی ہیں۔ نفسیات، فلسفے اور سائنس جیسے موضوعات پر بہت کم کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ ان بنیادی وجوہات کو دور کرنے کیلئے حکومتی اور نجی سطح پر فوری اور سنجیدہ اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اس قوم کو پستی اور ذلت سے نکالنے کا واحد راستہ علم سے محبت میں ہے۔ آج اس قوم کو کتاب سے مضبوط اور سچی دوستی کرنے کی ضرورت ہے۔ ☆☆☆☆☆

ام المومنین سیدہ حفصہؓ 10 سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئیں

قرآن مجید کی ترتیب و تدوین اور حفاظت میں اہم کردار ادا کیا

آپ ﷺ نے انکی ذہانت کے پیش نظر تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کیا

تحریر
راضیہ نوید

ا۔ تعارف:۔

سیدہ حفصہؓ سیدنا فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی ہیں اور آپؓ کی والدہ کا نام زینبؓ بنت مطعون تھا جو عثمان بن مطعون کی بہن تھیں۔ آپؓ کی ولادت بعثت نبوی ﷺ سے ۵ سال قبل ہوئی جب قریش مکہ خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر میں مصروف تھے۔ آپؓ کا تعلق قریش کے معزز قبیلے بنی عدی سے تھا اس طرح آپؓ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں لوئی پر حضور ﷺ سے جاملتا ہے۔ علم النساب کے ماہرین کے مطابق سیدہ حفصہؓ کا شجر نسب اس طرح ہے:

حفصہؓ بنت عمرؓ بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیز بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن دراح بن عدی بن کعب بن لوی۔ بن عدی کے پاس سفارت کا منصب تھا لہذا اسی وجہ سے مکہ میں ایک نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ ظہور اسلام کے وقت سفارت اور ثالثی کے عہدہ پر حضرت عمرؓ بن خطاب متمکن تھے۔ خاندانی حیثیت کے ساتھ ساتھ آپؓ کا شمار قریش کے ان سترہ افراد میں تھا جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔

۲۔ ابتدائی زندگی:۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ ایزدی میں ایمانِ عمرؓ بن خطاب کی دعا کے بعد جب آپؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اور یوں آپؓ کا پورا کنبہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا جس میں سیدہ حفصہؓ بھی شامل تھیں۔ اس وقت آپؓ کی عمر تقریباً دس سال تھی آپؓ نے جس خاندان میں پرورش پائی اس کی چند صفات آپؓ کے مزاج کا حصہ بن گئیں جن میں صاف گوئی، جرات، بے لوثی، معاملہ فہمی اور یک رنگی شامل تھی۔

سیدہ حفصہؓ کا پہلا نکاح حضرت خنیسؓ بن حزامہ سے ہوا جو اسلام کے بالکل اوائل دور میں رسول خدا ﷺ کے جانثار صحابی بن گئے تھے۔ حضرت خنیسؓ نے اپنے ایمان کے تحفظ اور سلامتی کی خاطر اپنے دو بھائیوں حضرت عبداللہؓ اور حضرت قیسؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور ہجرت مدینہ سے قبل ہی مکہ تشریف لے آئے تھے۔ حبشہ سے واپسی پر آپؓ کی شادی سیدہ حفصہؓ سے ہوئی۔ نبوت کے تیرہویں برس رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو ہجرت مدینہ کی اجازت دے دی چنانچہ سیدہؓ اور ان کے شوہر بھی اس سفر میں شامل ہوگئے۔ سیدہ حفصہؓ نے اپنے شوہر، والد اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ ہجرت کی تکالیف برداشت کیں اور ہجرت کے بعد مدینہ کی قریبی بستی قبا میں سکونت اختیار کی۔ ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کو حق و باطل کا پہلا معرکہ غزوہ بدر بپا ہوا جس میں آپؓ کے قبیلہ کے افراد نے بھی جرات اور شجاعت کے جوہر دکھائے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اسی غزوہ میں آپؓ کے رفیق حیات حضرت خنیسؓ کفار کا بے باکی سے مقابلہ کیا اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے کچھ عرصہ بعد مدینہ میں ہی شہادت پاگئے۔

حضرت عمر فاروقؓ اپنی صاحبزادی کے لیے سخت پریشان تھے اور عدت ختم ہونے کے بعد انہیں آپؓ کے لیے کسی قابل اعتماد رفیق کی تلاش کی فکر لاحق ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے سامنے اپنی بیٹی سے نکاح کی پیش کش رکھی لیکن انہوں نے معذرت کرلی۔ بالآخر آپؓ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور تمام تفصیل سے آگاہ کیا۔ آقا دو جہاں ﷺ نے فرمایا: ''حفصہؓ کی شادی اس شخص کے ساتھ ہوگی جو ابوبکرؓ اور عثمانؓ سے افضل ہے اور عثمانؓ کی شادی اس خاتون سے ہوگی جو حفصہؓ سے بہتر ہے''۔

۳۔ حضور اکرم ﷺ سے نکاح:۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدہ حفصہؓ کے لیے باقاعدہ نکاح کا پیغام بھیجا جسے قبول کرلیا گیا۔ مہر چار سو درہم مقرر ہوا اور یوں سیدہ حفصہؓ کو حرم نبوی میں داخل ہوکر ام المومنین کا اعلیٰ و ارفع درجہ نصیب ہوا۔ اس نکاح کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ آپؓ کی پیشکش پر میں اس لیے خاموش رہا کیونکہ حضور ﷺ کو سیدہ حفصہؓ کا ذکر کرتے سنا تھا اور میں یہ راز افشا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ نکاح مبارک شعبان ۳ ہجری میں ہوا۔ اس وقت ام المومنین سیدہ حفصہؓ کی عمر ۲۲ سال تھی۔

سیدہ حفصہؓ جب حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں تو اس وقت سیدہ عائشہ صدیقہؓ بھی آپ ﷺ کے نکاح میں موجود تھیں ہر زوجہ محترمہ کے لیے الگ الگ رہائش گاہ مہیا کی گئی تھی جو ایک حجرہ تھا۔ حجرے کی دیواریں کچی اینٹوں کی اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ دروازے پر کمبل کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ام المومنین سیدہ حفصہؓ کو بھی مسجد نبوی ﷺ کے شرقی جانب حجرہ ملا۔ فقر کا یہ عالم تھا کہ آرام کرنے کے لیے ٹاٹ کا ایک ٹکڑا بستر کے طور پر استعمال کیا جاتا اکثر گزر اوقات دودھ اور کھجوروں پر ہوتی اور ہفتوں چولہے میں آگ نہ جلتی تھی۔

۴۔ حضرت حفصہؓ کا شوقِ حصول علم:۔

ام المومنین سیدہ حفصہؓ کا تعلق اس خاندان سے تھا جو اپنی فصاحت و بلاغت، فہم و فراست اور تقریر میں قریش میں نمایاں

> **عرب معاشرے میں عورت کو دبا کر رکھا جاتا تھا اور کسی بھی معاملے میں مشورہ لینا اپنی توہین تصور کیا جاتا تھا مگر حضور نبی اکرم ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کو اپنی رائے کے اظہار کی مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سیدہ حفصہؓ حضور ﷺ کے ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بے تکلفانہ گفتگو کرلیتی تھیں**

مقام رکھتا تھا۔ آپؓ میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں اور نبی اکرم ﷺ اس سے بخوبی واقف تھے لہذا آپؓ کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کیا گیا۔ حضور ﷺ نے اپنی صحابیہ حضرت شفاءؓ بن عبداللہ عدیہ کو سیدہ حفصہؓ کی تعلیم پر مامور کیا انہوں نے آپؓ کو نہ صرف لکھنا سکھایا بلکہ زہریلے کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے کا دم بھی سکھایا۔ سیدہ حفصہؓ تعلیم و تفہیم کا بے پناہ شوق رکھتی تھیں یہی وجہ تھی کہ آپؓ حضور ﷺ کے فرمودات و اقوال نہایت توجہ سے سنتیں اور اگر ذہن میں کوئی سوال پیدا ہوتا تو نبی اکرم ﷺ سے استفسار فرمایا کرتی تھیں۔ مسند احمد بن حنبل میں سیدہ حفصہؓ سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو اہل ایمان غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ یہ ارشاد پاک سن کر آپؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

''اور تم میں سے کوئی شخص نہیں ہے مگر اس کا اس (دوزخ) پر سے گزر ہونے والا ہے یہ (وعدہ) قطعی طور پر آپ کے رب کے ذمہ ہے جو ضرور پورا ہوکر رہے گا''۔ (مریم:۷۱)

یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ درست ہے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو دنیا میں متقی تھے اور ظالموں کو اس میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے''، (المریم:۷۲)

آپؓ کا یوں نبی اکرم ﷺ سے سوال کرنا آپؓ کی علم کے لیے پیاس اور شغف کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔

ام المومنین سیدہ حفصہؓ نے ۱۰ ہجری میں حضور نبی اکرم ﷺ کی معیت میں حج کی ادائیگی کا شرف حاصل کیا اور نبی اکرم ﷺ کی زیرنگرانی و تربیت اس جماعت کا حصہ بن گئیں جس نے خواتین سے متعلق حج کے آداب و مناسک اور احکام و مسائل کی تعلیم دیگر خواتین تک پورے وثوق کے ساتھ پہنچائی۔

۵۔حضرت حفصہؓ کا علمی مقام و مرتبہ:۔

ام المومنین سیدہ حفصہؓ سے ساٹھ روایات منقول ہیں۔ ان میں سے چالیس احادیث مبارکہ براہ راست حضور ﷺ اور حضرت عمر فاروقؓ سے سماعت کیں۔ ان احادیث میں سے چار متفق علیہ، چھ صحیح مسلم میں اور باقی پچاس احادیث کی دیگر کتب میں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حمزہ بن عبداللہؓ، حارثہ بن وہبؓ، عبدالرحمٰن بن حارثؓ، صفیہ بنت ابوعبیدہؓ، ام منشر انصاریہؓ وغیرہ آپؓ کے خاص تلامذہ میں شامل ہیں۔

۶۔حفاظتِ قرآن میں حضرت حفصہؓ کا کردار:۔

قرآن مجید ۲۳ برس کے عرصے میں وقفے وقفے سے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ جونہی آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو صحابہ کرامؓ اسے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر قلب و ذہن میں محفوظ کرلیتے تھے مگر آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں اس امر کا انتظام فرمادیا تھا کہ وحی الٰہی کو احاطہ تحریر میں لایا جائے چنانچہ یہ اہم خدمت دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ سیدہ حفصہؓ کے سپرد کی گئی آپؓ حضور ﷺ کی ہدایات کے مطابق نازل شدہ آیات کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ کرلیتیں بعد ازاں جب عہد صدیقی میں باغیوں اور مدعیان نبوت کے خلاف جنگوں میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوگئے تو حضرت عمر فاروقؓ کی تجویز پر قرآن مجید کو مکمل کتابی صورت میں مدون کرنے کا اہتمام کیا گیا تو اس سلسلے میں ام المومنین سیدہ حفصہؓ کا نسخہ سب سے زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوا چنانچہ تمام قرآنی اجزا کو ایک مکمل مصحف کی صورت میں مدون کرکے سیدہ حفصہؓ کی تحویل میں دیا گیا جو تاریخ میں مصحف صدیقی کے نام سے مشہور ہوا۔ دور عثمانی میں عجمیوں کی ایک بڑی تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہوئی تو قرآن پاک کی کتابت، املاء اور تلفظ میں اختلاف کی صورتیں سامنے آئیں تو خلیفہ وقت سیدنا عثمان غنیؓ نے سیدہ حفصہؓ کے پاس موجود نسخہ کی نقول کرواکر مختلف شہروں میں بھیجیں تاکہ پوری امت اختلاط و انتشار سے محفوظ ہوجائے۔ اس طرح اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی ترتیب و تدوین اور حفاظت میں سیدہ حفصہؓ سے بڑا اہم کام لیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ حفصہؓ اپنی خاندانی خصوصیات کی وجہ سے طبعاً تیز مزاج تھیں اور بلا جھجک اپنی رائے کا اظہار کرلیا کرتی تھیں۔ عرب معاشرے میں عورت کو دبا کر رکھا جاتا تھا اور کسی بھی معاملے میں مشورہ لینا اپنی توہین تصور کیا جاتا تھا مگر حضور نبی اکرم ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کو اپنی رائے کے اظہار کی مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سیدہ حفصہؓ حضور ﷺ کے ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بے تکلفانہ گفتگو کرلیتی تھیں۔ آپؓ کو جھگڑے اور فساد سے سخت نفرت تھی لہذا جب جنگ صفین کے بعد مسلمانوں میں باہم غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور آپؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے فتنہ خیال کرتے ہوئے الگ رہنے کا ارادہ کیا تاکہ صورت حال ان کے کسی قدم سے مزید خراب نہ ہوجائے تو سیدہ حفصہؓ نے اپنے بھائی سے کہا کہ اگرچہ ان معاملات میں شریک رہنا آپؓ کے لیے فائدہ مند نہیں مگر آپؓ کو مسلمانوں سے الگ رہ کر گوشہ تنہائی اختیار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ لوگوں کو آپؓ کی رائے کا انتظار رہے۔ آپؓ کے الگ تھلگ رہنے اور موجودہ مسائل میں دخل نہ دینے کی وجہ سے عام مسلمانوں میں اختلاف مزید بڑھے گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کس طرح امت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے فکر مند رہتیں اور گہری دلچسپی لیتیں۔

۷۔وصال:۔

سیدہ حفصہؓ نے امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں وفات پائی۔ یہ شعبان ۴۵ ہجری تھی اور آپؓ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ نماز جنازہ مدینہ کے گورنر مروان نے پڑھائی۔ آپؓ کے بھائی حضرت عبداللہؓ اور حضرت عاصمؓ اور بھتیجوں سالم، عبداللہ اور حمزہؓ نے قبر مبارک میں اتارا۔ آپؓ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جائیداد رفاہی کاموں کے لیے وقف کردی جائے۔ ☆☆☆☆☆

کوئی سچا مسلمان بے گناہ کی جان نہیں لے سکتا

غربت، بیڈ گورننس، کم شرح خواندگی دہشتگردی کی ایک بڑی وجہ ہے

علم ہر میدان میں کامیابی کی ضمانت ہے

سینئر سیاستدان، سفارتکار، دانشور بیگم عابدہ حسین سے خصوصی انٹرویو

انٹرویو پینل
ام حبیبہ...... نازیہ عبدالستار

بیگم سیدہ عابدہ حسین پاکستان کی سیاست کا ایک بڑا نام ہیں ان کا تعلق ضلع جھنگ کے جاگیردارانہ رسوم و رواج والے ماحول اور ثقافت سے ہے۔ ان حوالوں کو پیش نظر رکھا جائے تو ان کا سیاست میں آنا اور قومی سیاست میں متحرک کردار ادا کرنا ایک پہیلی لگتا ہے بہرحال یہ ایک سچ ہے کہ پاکستان کی مردانہ سیاست میں بیگم عابدہ حسین نے انتہائی جرأت مندانہ حصہ ڈالا اور اپنی ایک شناخت قائم کی اور ان کا شمار آج ایک زیرک، مدبر اور جرأت مند خاتون سیاستدان کے طور پر ہوتا ہے ان کی کہی ہوئی بات کو حوالے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ جاگیردارانہ ماحول میں پرورش پانے والی بیگم عابدہ حسین کا ملکی سیاست میں آنا ایک پہیلی لگتا ہے یقیناً اس کا کریڈیٹ ان کے والد گرامی کرنل سید عابد حسین کو جاتا ہے جنہوں نے اپنی بیٹی کی تربیت بیٹوں سے بڑھ کر کی۔ قیام پاکستان کے بعد ہمیں جنرل ایوب کے خلاف محترمہ فاطمہ جناح کی سیاسی جدوجہد نظر آتی ہے اگر محترمہ فاطمہ جناح کے بعد ہم عملی انتخابی جدوجہد کرنے والی خواتین پر نگاہ ڈالیں تو ان میں بیگم عابدہ حسین کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ سیدہ بیگم عابدہ حسین کی وجہ شہرت جرأت کے ساتھ سچ بولنا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ منافقت کے دبیز پردوں میں ہونے والی خوشامدانہ سیاست کے باعث وہ کسی جماعت میں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں۔

بیگم سیدہ عابدہ حسین کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ وہ ڈسٹرکٹ جھنگ کی پہلی منتخب چیئرمین تھیں، وہ 1985 ء میں بھی قومی اسمبلی کی ممبر منتخب ہوئیں اور 1997 ء میں بھی ممبر منتخب ہوئیں، 1992 ء میں امریکہ میں سفیر مقرر ہوئیں۔ پاکستان اور امریکہ کے درمیان اگر باوقار سفارتی تعلقات کا کوئی دور زیر بحث لایا جائے تو بلاشبہ یہ وہی دور ہے جس میں بیگم عابدہ حسین سفیر تھیں۔ بیگم عابدہ حسین کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ طویل ترین سیاسی کیریئر کے باوجود ان پر یا ان کے شوہر سید فخر امام اور ان کی بیٹی صغریٰ امام پر کرپشن کا کوئی الزام نہیں ہے۔ان کی بیٹی صغریٰ امام بھی متعدد بار صوبائی اسمبلی اور پارلیمنٹ کا حصہ رہ چکیں ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی والدہ، والد اور خاندان کی عظیم سیاسی روایات اور اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے سیاست کو عزت اور خدمت کا ذریعہ سمجھا،بیگم عابدہ حسین متعدد کتابوں کی مصنفہ بھی ہیں انہوں نے پوری دیانتداری کے ساتھ اپنے عہد کی سیاست اور اس سے وابستہ اہم واقعات کو رقم کر کے آئندہ نسلوں کیلئے ملکی سیاست کو سمجھنے اور پھر لکھنے کے کام کو بہت آسان کردیا ہے۔

بیگم عابدہ حسین وہ سیاستدان ہیں جو وہی بات کرتی ہیں جو ان کے علم اور مشاہدہ میں ہوتی ہے، وہ قیاس

معاشرہ کا بنیادی یونٹ گھر ہے اور اس گھر کی سربراہ خاتون ہوتی ہے، ریاست اور حکومت کو چاہیے کہ خواتین کی تعلیم و تربیت پر انویسٹ کریں اچھی مائیں اچھی سوسائٹی تشکیل دیں گی۔ ماؤں کی تعلیم و تربیت کو نظر انداز کر کے ہم معاشرہ کی اصلاح نہیں کر سکتے۔

آرائی کی بنیاد پر تجزیوں اور تبصروں سے گریز کرتی ہیں۔ وہ اپنے مخالفین کے بارے میں بھی انتہائی محتاط اور ''نپا تلا'' لہجہ اور الفاظ استعمال کرتی ہیں، بدقسمتی سے یہ وضع داری آج کی سیاست میں ناپید ہے۔ بیگم عابدہ حسین کی شخصیت کا ایک اور اہم پہلو خدمت خلق و فلاح عامہ بھی ہے وہ اپنی شخصیت کے اس پہلو کو نمایاں کرنے کا اہتمام نہیں کرتیں اور خدمت خلق کو اپنا اور اپنے خدا کے درمیان ایک معاملہ سمجھتی ہیں اور وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد اس انداز میں کرنا پسند کرتی ہیں کہ عزت نفس کا پاس بھی رہے اور دوسرے ہاتھ کو علم بھی نہ ہو۔ بیگم سیدہ عابدہ حسین تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام منعقدہ فلاحی تقاریب میں بطور خاص شامل ہوتی ہیں بالخصوص ہر سال اجتماعی شادیوں کی تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کے حلقوں میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دختران اسلام نے ان سے سیاسی، سماجی موضوعات اور زندگی کے نشیب و فراز اور کامیابیوں کے حوالے سے خصوصی گفتگو کی جو قارئین ''دختران اسلام'' کے مطالعہ کیلئے پیش خدمت ہے۔

سوال: انتہاء پسندی کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں مگر انتہاء پسندی نے دہشتگردی کی شکل اختیار کر لی اور سوسائٹی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ آپ دہشتگردی کے ناسور کی وجوہات اور سدباب کے بارے میں کیا کہیں گی؟

جواب: یہ درست ہے کہ دہشتگردی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسلام تو انتہاء پسند رویوں کی نفی کرنے والا ضابطہ حیات ہے۔ اسلام تو امن، محبت رواداری والا دین ہے۔ اللہ رب العزت نے امت محمدیہ کو اعتدال والی امت قرار دیا ہے جو اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے، بولنے، عبادت کرنے، دوستی، دشمنی میں معتدل رویوں کی حامل ہے اور کسی بھی مرحلہ پر حد سے تجاوز نہیں کرتی اور دین اسلام انسانیت کے تحفظ اور بقاء کی بات کرتا ہے جو بچوں، عورتوں، بوڑھوں، معذوروں سے حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے یہاں تک کہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے جو دین جانوروں کے ساتھ ناانصافی سے روکتا ہے وہ دین کسی کی جان لینے کی بالواسطہ یا بلا واسطہ اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ اسلام نے ایک بے گناہ کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے کوئی سچا مسلمان کسی بے گناہ کی جان نہیں لے سکتا۔ رہا یہ سوال کہ دہشتگردی کی وجوہات کیا ہیں؟ تو اس کا تعلق عدم برداشت، غیر مساوی نظام تعلیم سے ہے۔ جہالت، ناانصافی، اقرباء پروری، کرپشن، بیڈ گورننس سے ہے جب کمزور کو انصاف نہیں ملے گا تو وہ قانون ہاتھ میں لے گا۔ ریاست تعلیم کی فراہمی کی آئینی ذمہ داریاں پوری نہیں کرے گی تو جہالت فروغ پائے گی، غریب مریض کو دوائی اور علاج نہیں ملے گا تو مایوسی جنم لے گی یہی مایوسی انتہاء پسندی اور دہشتگردی میں تبدیل ہوتی ہے۔ دہشتگردی کی ایک وجہ بین الاقوامی بھی ہے تاہم بین الاقوامی سازشیں ان ممالک میں جگہ بناتی ہیں جہاں کی ریاستیں انصاف نہیں کرتیں اس کا سد باب انصاف کرنے، تعلیم دینے، قومی وسائل کی منصفانہ تقسیم اور ادارہ جاتی اصلاح سے ہے ہمیں من حیث المجموع اعتراف کرنا ہوگا کہ ہمارے سیاستدان، استاد، عالم دین، عوام اور میڈیا نے اپنے فرائض سرانجام دینے میں کوتاہی برتی ہے جس کا نتیجہ آج عدم برداشت اور قتل و غارت گری کی صورت

میں سب کے سامنے ہے۔ بانی پاکستان نے جن مقاصد کے لیے جدوجہد کی تھی ہم اس نظریاتی گائیڈ لائن سے ہٹ گئے ہیں۔قائداعظم نے کمزور کوتحفظ، ترقی کے مساوی مواقع اور معاشی استحکام کے لیے پاکستان کے لیے جدوجہد کی تھی مگر بعد میں آنے والے ذمہ داروں اور پالیسی سازوں نے ترجیحات بدل ڈالیں۔

سوال: موجودہ سیاسی ماحول میں خواتین کیا کردار ادا کرسکتی ہیں؟

جواب: پاکستان کی خواتین نے مشکل ترین حالات میں ہر شعبے میں شاندار کردار ادا کیا ہے۔ معاشرہ کا بنیادی یونٹ گھر ہے اور اس گھر کی سربراہ خاتون ہوتی ہے،ریاست اور حکومت کو چاہیے کہ خواتین کی تعلیم وتربیت پر انویسٹ کریں اچھی مائیں اچھی سوسائٹی تشکیل دیں گی۔ ماؤں کی تعلیم وتربیت کونظر انداز کرکے ہم معاشرہ کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ آج علم کی مقدار بڑھ گئی، سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کی بہتات ہے یہ انفارمیشن ٹیکنالوجی، ابلاغ اور معلومات کی برق رفتاری کا دور ہے مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ تعلیم ہے مگر تربیت نہیں ہے۔بڑے چھوٹے کے احترام کا فرق ختم ہوگیا، سوسائٹی سے عزت و احترام کا کلچر ختم ہو رہا ہے، ملک اور قومیں پلوں، سڑکوں،عالیشان عمارتیں بنانے سے نہیں بلکہ انسانوں پر انویسٹ کرنے سے عظیم بنتی ہیں ہمیں اخلاقیات، شائستگی، تہذیب وتمدن کے اسلاف کے اس کلچر کا احیاء کرنا ہوگا جس کی بنیادیں اسلام اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار پر کھڑی تھیں۔

سوال: آپ وسائل سے مالا مال پاکستان کوغربت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے کیا تجویز کریں گی کیونکہ غربت بھی انتہاء پسندی اور دہشتگردی کی ایک بڑی وجہ ہے۔

جواب: یہ درست ہے کہ غربت بھی دہشتگردی کی ایک بڑی وجہ ہے، پاکستان جغرافیائی اور قدرتی معدنی وسائل کے اعتبار سے مالا مال ملک ہے مگر سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے پاکستان بین الاقوامی سطح پر اور علاقائی سطح پر بہت پیچھے رہ

ریاست تعلیم کی فراہمی کی آئینی ذمہ داریاں پوری نہیں کرے گی تو جہالت فروغ پائے گی، غریب مریض کو دوائی اور علاج نہیں ملے گا تو مایوسی جنم لے گی یہی مایوسی انتہاء پسندی اور دہشتگردی میں تبدیل ہوتی ہے۔

گیا، آج ہم تاریخ کے سب سے زیادہ قرضوں کے بوجھ تلے ہیں، ہمارا ترقیاتی بجٹ سود کی ادائیگی کے بجٹ سے کم ہے اور پھر جو وسائل دستیاب ہیں ان کا استعمال ناانصافی پر مبنی ہے۔ہمیں زراعت کے شعبہ پر انویسٹمنٹ کرنی چاہیے۔ پاکستان کا محنتی کسان ہی پاکستان کو معاشی بحران سے نکال سکتا ہے۔ اگر کسان کوسہولتیں نہ دی گئیں تو ہماری صنعت بھی بند ہو جائے گی۔صنعت کا خام مال زراعت مہیا کرتی ہے، کسان کو سستی بجلی،سستا ڈیزل،سستی کھادیں، معیاری بیج اور فصل کی پوری قیمت چاہیے اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کی خواتین زراعت کی ترقی میں پیش پیش ہیں اس لیے بھی زراعت پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

پاکستان کے پاس افرادی قوت کا خزانہ ہے مگر ہم نے اپنی اس افرادی قوت کوعصری تقاضوں کے مطابق تربیت نہیں دی انہیں بین الاقوامی معیار اورضرورتوں کے مطابق تعلیم اور ٹریننگ نہیں دی۔ہم نے اپنے معدنی ذخائر سے استفادہ نہیں کیا، پانی کے دستیاب ذخائر کومحفوظ بنانے کی منصوبہ بندی نہیں کی۔ 70سال کی کوتاہیاں اب ایک ساتھ سامنے آرہی ہیں۔بہرحال زراعت کے شعبہ پر توجہ دے کر پاکستان اپنے معاشی بحران پر قابو پاسکتا ہے۔

سوال: آپ نے ذوالفقار بھٹو کے دور سے لے کر اب تک کے تمام سیاسی ادوار دیکھےتو اس وقت اور اب کی سیاست میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

جواب: ان ادوار سے لے کر اب تک پاکستان سیاسی عدم استحکام کے باوجود بہر حال آگے بڑھا ہے جمہوری عمل قائم ہونے کے ساتھ جڑ بھی پکڑ چکا ہے جس میں عام انسان کو روزگار کے مواقع ملے ہیں۔ علاج و معالجہ کی سہولیات میں بہتری ہوئی ہے۔ تعلیم کو فروغ ملا ہے ذرائع مواصلات کے نظام میں بہتری آئی ہے میرا خیال ہے کہ جمہوری عمل سے عام انسان کو بہت زیادہ فوائد میسر آئے ہیں۔

سوال: مذہبی اور سیاسی لیڈر شپ ہمارے نوجوانوں کے لیے کوئی اچھی مثال قائم نہیں کرسکی اس بحران کی بنیادی وجہ کیا ہے؟

جواب: نوجوانوں کے سامنے جو قیادت منتخب ہوکر آتی ہے اگر اس پر نوجوان نسل کو اعتماد نہیں ہے تو وہ آئندہ انتخاب میں ان سے بہتر لوگوں کو سامنے لائیں جس سے ملک میں مزید بہتری آئے۔

سوال: اس وقت کتاب بینی کا کلچر دم توڑ رہا ہے کتاب کے عالمی دن (23 اپریل) کے موقع پر آپ کے نزدیک اس کلچر کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے۔

جواب: میرا خیال ہے کہ کتاب بینی بہت ضروری ہے کتاب سے علم حاصل ہوتا ہے اس سے انسان میں بیداری آتی ہے۔ جس سے ترقی کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ میں خود بھی دو کتابوں کی مصنف ہوں، علم انسان کا بہت بڑا ہتھیار ہے، علم کے باعث انسان ہر میدان میں کامیاب و کامران ٹھہرتا ہے۔ اس طرف نوجوان نسل کو کتاب بینی کی طرف زیادہ راغب و مائل کرنے کے نئے طریقے اختیار کرنے چاہئے تاکہ ان میں کتاب بینی کے رجحانات بڑھیں۔

سوال: ایک ملازمت پیشہ عورت اپنی پیشہ وارانہ عائلی ذمہ داریوں کو کیسے خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتی ہیں؟

جواب: عورت کو اللہ رب العزت نے ایسی

پاکستان کے پاس افرادی قوت کا خزانہ ہے مگر ہم نے اپنی اس افرادی قوت کو عصری تقاضوں کے مطابق تربیت نہیں دی انہیں بین الاقوامی معیار اور ضرورتوں کے مطابق تعلیم اور ٹریننگ نہیں دی۔

صلاحیتیں عطا کی ہیں کہ وہ ایک وقت میں بہت سے کام کو سرانجام دے سکتی ہے وہ جتنی ذمہ داریوں کو اختیار کرسکتی ہے اُسے کرنا بھی چاہئے اس سے عورت کے اختیارات میں اضافہ ہوتا ہے اُس کے لیے کوئی مشکل نہیں کہ اگر وہ گھر کے ساتھ باہر کو بھی دیکھتی ہے میں سمجھتی ہوں کہ وہ دونوں پہلوؤں کو خوش اسلوبی سے چلاسکتی ہے۔

سوال: آپ ڈاکٹر طاہرالقادری کی خدمت دین کے حوالے سے کاوشوں کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گی؟

جواب: ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی دینی خدمات بلاشبہ بہت زیادہ ہیں اللہ نے انہیں موثر آواز دے رکھی ہے لہذا وہ ایک ایسے مقرر ہیں جنہیں سن کر بہت سے لوگ متاثر ہوتے ہیں اور حوصلے کے ساتھ عملی میدان میں قدم بڑھاتے ہیں۔ علاوہ ازیں میں ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی فلاحی خدمات کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہوں جس طرح وہ معاشرے کی فلاح و بہبود کا کام کررہے ہیں اس کی نظیر نہیں۔

سوال: قارئین کے نام کیا پیغام دینا چاہیں گی؟

جواب: میرا پیغام یہ ہے کہ اپنے حصے کا کام محنت و لگن کے ساتھ کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جائیں کیونکہ جدوجہد زندگی کا حصہ ہے جو جہد مسلسل سے گزرتے ہیں وہ کندن بن کر نکلتے ہیں۔ مشکلات تو آتی ہیں لیکن ان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے منزل کی طرف رواں دواں رہیں اور دیانتداری کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں۔

☆☆☆☆☆

تنظیم سے محروم لائق تعظیم نہیں رہتے

دو سانسیں اللہ کی بیش قدر نعمتیں، ان کی قدر کرو

گلاب نہیں بن سکتے تو کانٹا بھی مت بنو

مرتبہ: ادیبہ شہزادی

﴿وقت کی ضرورت﴾

اللہ رب العزت نے انسان کو اس کائنات میں اتنی زیادہ نعمتیں عطا کی ہیں کہ اگر کوئی ان کو شمار کرنا چاہے تو کوشش کے باوجود ان کا شمار ممکن نہیں پھر ایک ایک نعمت اتنی بڑی اور اتنی اہم ہے جس کا حساب نہیں۔ ان نعمتوں کا انسان ساری زندگی بھی شکر ادا کرتا رہے تو ساری زندگی میں ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کرسکتا۔ باقی نعمتوں کا شکر وہ کب ادا کرسکے گا؟ امام غزالیؒ فرماتے کہ اللہ کی ان بے شمار نعمتوں میں سے دو بہت بڑی نعمتیں انسان کی دو سانسیں ہیں۔ ایک سانس جاتی ہے باہر سے اندر کی طرف اور ایک سانس آتی ہے اندر سے باہر کی طرف! اندر جانے والی سانس انسان کو فرحت دیتی ہے اور باہر آنے والی سانس انسان کو زندگی دیتی ہے۔ ایسے ہی مال و دولت، صحت، عہدہ وغیرہ۔ اس کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ یہ نعمتیں اگر چھین لی جائیں تو دوبارہ بھی مل سکتی ہیں لیکن وقت ایک ایسی نایاب نعمت ہے جو انسان کو زندگی میں صرف ایک بار ملتی ہے۔ وقت اگر گزر جائے تو بے شمار دولت بلکہ قارون کے خزانے لٹانے سے بھی اسے وہ وقت دوبارہ نہیں مل سکتا۔ فارسی کا مشہور مقولہ ہے!

از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نیاید

یعنی ہاتھ سے گیا وقت اور کمان سے سے نکلا تیر واپس نہیں آتا۔ انسان کی زندگی ہوا کے جھونکے کی مانند ہے کہ جب چلتی ہے تو بہاریں بکھیرتی ہوئی چلتی ہے۔ اس کی ہوا تپش کو ختم کرتی جاتی ہے اور اندر آسودگی پیدا کرتی ہے۔ اگر وقت کا ہم صحیح استعمال کریں اسے ضائع کرنے کے بجائے ہم اپنے مقصد کو پالیں اور اخلاق کو سنوارلیں تو ہماری زندگی خوشبو بکھیرتی ہوئی گزرے گی جو دوسروں کو بھی اس خوشبو سے منور کردے گی۔ یاد رکھو! وقت تلوار ہے جو اس کو صحیح استعمال نہیں کرتا تو وقت اس کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ جو وقت کو ضائع کرتا ہے تو پھر وقت بھی اسے ضائع کردیتا ہے۔ اس لیے آج ہمارے پاس وقت ہے، اپنے وقت کی قدر کریں اور خود کو پہچانیں۔ اپنے مردہ دلوں کو زندہ کریں اپنی بند آنکھوں کو کھولیں اور اپنا ہر کام وقت پر کریں۔ اللہ رب العزت نے ہر شے کو وقت کے اندر رکھا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے۔ ہر ایک کے ادا کرنے کا اپنا اپنا وقت ہے پھر کچھ کام ایسے ہیں کہ اگر ان کو بروقت ادا نہ کیا جائے تو انہیں کسی اور وقت میں کرنا ممکن ہی نہیں جیسے نماز جمعہ، نماز عید، نماز جنازہ وغیرہ۔ اس لیے ہمیشہ اپنے وقت کی قدر کرتے ہوئے ہر کام اس کے وقت پر کریں۔ یہ نہ ہو کہ! نادان گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا۔ اس لیے رکوع کے وقت رکوع، سجدے کے وقت سجدہ کریں۔ تب بات بنے گی۔

یہی زندگی کا نظم و ضبط ہے اسی کا نام حسن تنظیم ہے۔ کیونکہ
جس قوم کے افراد میں تنظیم نہیں ہوتی وہ قوم کبھی لائق تعظیم نہیں ہوتی۔

وقت سب کو ملتا ہے مگر چند ہی ایسے ہوتے ہیں جنہیں وقت پر سمجھ آتی ہے کیونکہ وقت اور سمجھ ایک ساتھ خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہے۔ اکثر اوقات سمجھ نہیں ہوتی اور اگر سمجھ آجائے تو پھر وقت نہیں ہوتا۔ اس لیے آج ہمارے پاس وقت ہے اور ہمیں ایک عظیم قائد بھی میسر ہے جو اس صدی کا مجدد، مفسر، مفکر اور مبلغ بھی ہے۔ لہذا ان کی فکر و سوچ کو سمجھیں ان کا دست و بازو بن کر اس مشن کے ساتھ کاربند رہیں۔

(حفصہ بی بی۔ ایبٹ آباد)

﴿عورت﴾

☆ عورت اگر شرافت، حیا اور اخلاق کا پیکر بن جائے تو واجب الاحترام بن جاتی ہے۔
☆ عورت کا بناؤ سنگھار اس کے دل کی حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔
☆ عورت کائنات کی بیٹی ہے اس پر غصہ نہ کرو۔
☆ حیا اور شرم عورت کا حسن ہے۔
☆ جو قومیں عورت کو غلام بنا کر رکھتی ہیں وہ جلد تباہ ہوجاتی ہیں۔
☆ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتیں اچھی اور خوبصورت ہیں لیکن ان سے زیادہ خوبصورت پرہیزگار عورت ہے۔
☆ عورت کمزور ہونے کے باوجود روئے زمین پر وہ زبردست طاقت ہے جس کے حملے کا کوئی جواب نہیں۔
☆ اگر عورت کے دل کو چیرا جائے تو صبر و تحمل، برداشت اور قربانیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔

(آمنہ حمید۔ چیچہ وطنی)

﴿اقوال زریں﴾

☆ کامیابیاں حوصلوں سے ملتی ہیں، حوصلے دوستوں سے ملتے ہیں، دوست مقدروں سے ملتے ہیں اور مقدر انسان خود بناتا ہے۔ (حضرت علیؓ)
☆ احمق ہمیشہ محتاج رہتا ہے، عقلمند ہمیشہ غنی رہتا ہے اور لالچی ہمیشہ ذلت میں گرفتار رہتا ہے۔ (حضرت علیؓ)
☆ مصیبت میں ہو تو کبھی یہ نہ سوچو کہ کون سا دوست ساتھ دے گا بلکہ یہ سوچو کہ کونسا دوست ساتھ چھوڑے گا۔ (حضرت علیؓ)
☆ یہ ٹھیک ہے کہ تم ایک گلاب نہیں بن سکتے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم ایک کانٹا بن جاؤ۔ یہاں ایک راز کی بات ہے جو شخص کانٹا نہیں بنتا وہ بالآخر گلاب بن جاتا ہے۔
☆ دنیا ایک دریا ہے جس کے مسافر لوگ جس کا کنارہ آخرت، جس کی کشتی تقویٰ ہے۔
☆ جس چھاؤں سے عزت نفس زخمی ہو اس چھاؤں سے دھوپ بہتر ہے۔
☆ لفظ انسان کے غلام ہوتے ہیں مگر صرف بولنے سے پہلے تک!! بولنے کے بعد انسان اپنے الفاظ کا غلام بن جاتا ہے۔
☆ انسان کی اچھی نیت پر وہ انعام ملتا ہے جو اچھے اعمال پر بھی نہیں ملتا کیونکہ نیت میں دکھاوا نہیں ہوتا۔
☆ صبر ایسی سواری ہے جو اپنے سوار کو گرنے نہیں دیتی، نہ کسی کے قدموں میں اور نہ کسی کی نظروں میں۔
☆ غم اور مشکلات صرف اللہ کو بتایا کرو اس یقین پر کہ وہ تمہاری آواز بھی سنے گا اور مشکلات بھی دور کرے گا۔
☆ شاخ پر بیٹھا پرندہ شاخ کی کمزوری یا اس کے جھولنے سے نہیں ڈرتا کیونکہ اس کو شاخ پر نہیں بلکہ اپنے پروں پر اعتماد ہوتا ہے۔
☆ زندگی کے ہر موڑ پر صلح کرنا سیکھو، کیونکہ جھکتا وہی ہے جس میں جان ہوتی ہے، اکڑنا تو صرف مُردوں کا کام ہے۔

(راحت العین عائشہ۔ خانیوال)

☆☆☆☆☆

منہاج کالج برائے خواتین میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کی 67 ویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ ہفتہ تقریبات

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
APRIL-2018
LAHORE
Regd CPL No.45

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ایمان افروز علمی و تحقیقی کتب

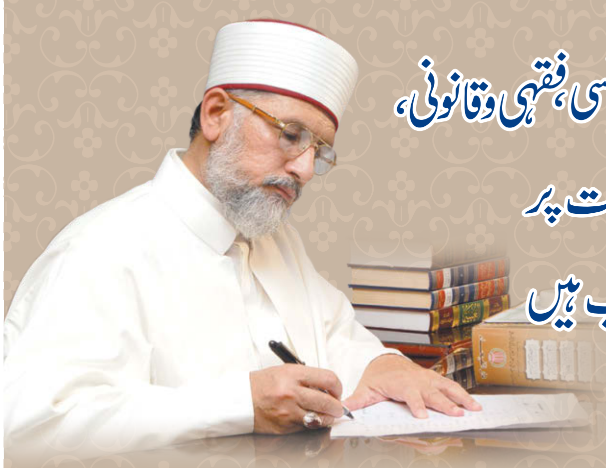

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی،
انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر
550 سے زائد کتب دستیاب ہیں